DAMAGE BOOK

رج ان گ ریم ۲۰۶۵

جلد چہارم — نمبر (۱)

المعلم

ماہ شہریور ۱۳۳۶ف

ایڈیٹر .... محمد سجاد مرزا۔ ایم۔ اے (کنٹب)

شریک ایڈیٹر .... محمد عظمت اللہ خاں۔ بی۔ اے

اعظم اسٹیم پریس چارمینار

حیدرآباد دکن

ہدایات

Checked 1965

(۱) یہ محض علمی رسالہ ہے جس میں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہونگے۔ سیاسی یا مذہبی مضامین شریک نہ کئے جائینگے۔

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شایع ہوگا۔

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۲۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالہ نمبر خریداری مطلع فرمائیں۔

(۴) جو مضامین ناقابل طبع متصور ہونگے ان کی واپسی خرچۂ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی۔

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (ہے) مع محصولڈاک ہے جو پیشگی لی جائیگی۔

(۶) نمونہ کا پرچہ چھ آنے کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال کیا جائیگا۔

(۷) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ وصول ہونا چاہیئے ورنہ ادائی جواب میں مجبوری رہیگی۔

(۸) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے۔ رقم وصول ہونے پر اشتہار طبع کئے جائینگے۔

تعداد مدت	صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک بار	عـہ	صہ ۸ر	ے ۸ر
سہ بار	عسہ ۸ر	للعہ	ہ ۸ر
ششماہ	للعہ	عسہ ۸ر	صعہ
سالانہ	صہ	للعہ	عسہ ۸ر

(۹) جملہ مراسلت و ترسیل رقوم منی آرڈر وغیرہ موسومۂ شریک مدیر پتۂ ذیل پر ہونی چاہیئے

محمد عظمت اللہ خاں بی۔ اے شریک مدیر۔
دفتر رسالہ المعلم بلگرامی ہوز سانچہ توپ
حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مندرجات المعلم

جلد چہارم | بابتہ ماہ شہریور ۱۳۳۶ ف | نمبر (۱)

ہمارا نیا سال

یہ سال (بھی) اپنی نیرنگیاں دکھلا کر گزر گیا۔ اور اب اس مہینہ سے المعلم شیر خواری کا زمانہ ختم کر کے اپنی زندگی کے چوتھے سال میں قدم رکھ رہا ہے

سرکار عالی کی فیاضی اور سررشتۂ تعلیمات کی سرپرستی سے یہ رسالہ اس قابل ہو گیا ہے کہ اپنے پیروں کے بل کھڑا ہونے لگے۔ المعلم سرکار عالی اور سررشتۂ تعلیمات کے اس لطف و کرم کا تہ دل سے شکر گزار اور رہین منت ہے۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ گزشتہ سال کی یہ امید کہ ''المعلم'' اس بات کی کوشش کریگا کہ

یہ احساس تشکر رسالہ کی بہتری اور مضامین کی برتری کی صورت اختیار کرے۔" بڑی حد تک پوری ہوئی۔ اس کا حجم ۳۲ صفحہ سے بڑھکر ۴۸ صفحہ کر دیا گیا۔ مضامین کے معار کو بلند کیا گیا۔ تصاویر و نقشہ جات کو جگہ دی گئی اور مختلف طبقے کے ناظرین کے مذاق کا لحاظ کرتے ہوئے حتی الوسع طرح طرح کے تعلیمی مسائل اور اُن کے پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ یہ سعی کس حد تک کامیاب رہی اِس کا کچھ اندازہ خود قارئین کرام ہی اس فہرست مضامین سے کرسکتے ہیں جو ان سطور کے خاتمہ پر درج ہے۔

ہم کو یہ اعتراف ہے کہ 'المعلم' مغربی رسالوں کی طرح وقت پر اور صحت کے ساتھ شایع نہ ہوسکا لیکن قارئین کرام کاتب کی ضرب المثل مہربانیوں اور پتھر کے چھاپہ خانوں کے حالات سے اسقدر واقف ہیں کہ اِس خصوص میں ہماری خاموشی ہی ایک معذرت نامہ کا کام دیتی ہے۔ علاوہ بریں 'المعلم' کی بے مثل خصوصیت یعنی ہاتھ کے بنے ہوئے کاغذ کا استعمال جاری رکھنا کچھ آسان کام نہیں ہے۔ تاہم شکر ہے کہ یہ خصوصیت برقرار و جاری رہی اور توقع ہے کہ یہ تعلیمی رسالہ ملکی کاغذ ہی پر طبع ہوتا رہیگا ہم کو یقین ہے کہ اُردو ٹائپ کے مسئلہ کی یکسوئی تک ہماری موجودہ مشکلات کا ارتفاع تقریباً ناممکن ہے۔

ہمارے لئے یہ امر خاص طور پر باعثِ مسرت ہے کہ ارباب ذوق نے اپنی نوازش اور مہربانی سے 'المعلم' کی قلمی اعانت سے دریغ نہیں کیا۔ اس علمدوستی کا یہ نتیجہ ہوا کہ 'المعلم' کے مضمون نگاروں کے حلقہ میں توسیع ہوئی اور چند ایسے اصحاب کا اضافہ ہوا جن کے خیالات تجربات اور مشاہدات سے 'المعلم' محروم تھا۔ اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اِن کا ذکر کیا جائے لیکن بڑی ناشکر گزاری ہوگی اگر ہم مکرر اس رسالہ کے بانی مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری بی۔اے (آکسن) نائب ناظم تعلیمات اور اس کے سب سے بڑے قلمی معاون مولوی محمد حسین صاحب یم۔اے۔بی۔ ای۔ ڈی صدر مدرس مدرسۂ فوقانیہ بیدر کا شکریہ ادا نہ کریں۔ مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری نے اپنی غیر معمولی مصروفیتوں کے باوجود قلمی اعانت فرمائی۔

آپ کا مضمون "پسٹالوزی کے مزار پر دو پھول" آپ کی فن تعلیم سے دلچسپی اور

ایک زبردست ماہرِ تعلیم سے عقیدتمندی ظاہر کرتا ہے۔ آپ کی قدر ہمارا دل ہی خوب جانتا ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب صدر مدرس مدرسۂ فوقانیہ بیدر تعلیمی مسائل پر خاص عبور رکھتے ہیں۔ آپ کا قابلِ قدر مضمون "اُردو نوشت و خواند کی تعلیم" جو مسلسل پانچ نمبروں میں شایع ہوا ایسا دلچسپ و سبق آموز ہے کہ اس کی یاد عرصہ تک دل سے محو نہ ہوگی۔ 'المعلم' صاحبِ ممدوح کی قلمی اعانت کا رہینِ منت ہے۔

مسٹر منگیش راؤ بی۔اے۔بی۔ٹی صدر مدرسہ تعلیم المعلمین اورنگ آبادبھی ہمارے قدیم عنایت فرماؤں میں ہیں۔ ان کے مضامین جو عملی پہلو لئے ہوئے ہیں ہمارے اساتذہ کے لئے بہت مفید ہیں۔ ہم موصوف کے شکرگزار ہیں۔

'المعلم' کے جدید قلمی معاونین میں مولوی نصیر احمد صاحب بی۔ ایس سی۔ پروفیسر کلیہ جامعہ عثمانیہ اور جگ موہن لال صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی لکچرار عثمانیہ ٹرینگ کالج قابلِ ذکر ہیں۔ مولوی نصیر احمد صاحب نے ریاضیات جیسے مضمون کو جس عمدگی سے دلچسپ بنانے کا راستہ بتایا ہے۔ وہ ہمارے اساتذہ کے غور و فکر کے لائق ہے۔ ہم موصوف کے بہت ممنون ہیں کہ انہوں نے اپنی کتاب کے بعض ابواب کتابی صورت میں طبع کرانے سے پہلے 'المعلم' میں طبع کرادئے۔

اُردو زبان میں نباتات کے بابت بہت کم معلومات ہیں۔ "قرضدار پودے" اور "جڑوں کا پانی جذب کرنا" جیسے مضامین کی سخت ضرورت ہے۔ ہم جگ موہن لال صاحب کے بہت مشکور ہیں کہ انہوں نے متذکرہ مضامین لکھ کر ایک ضرورت کو پورا کیا۔

آخر میں ہمارا یہ خوشگوار فرض ہے کہ ہم اِن تمام ارباب کرم کی خدمت میں اپنا عاجزانہ شکریہ پیش کریں جنہوں نے اپنی قلمی امداد سے "المعلم" کی دلچسپی اور سبق آموزی میں اضافہ فرمایا۔

اب صرف ایک بات کہنی رہ گئی ہے وہ یہ کہ 'المعلم' کے قابل شریک مدیر مولوی محمد عظمت اللہ خاں صاحب بی۔اے چند ماہ سے علیل ہیں۔ ڈاکٹروں کے مشورہ سے بغرض علاج

وتبدیل آب ہوا ملن ہلی چلے گئے ہیں خدا اُن کو جلد شفا دے۔ آمین

مدیر

فہرست مضامین رسالۂ المعلم جلد سوم

نمبر(۱) ماہ شہریور ۱۳۳۵ ف

نمبر(۲) ماہ مہر ۱۳۳۵ ف

(۵) شتر مرغ	مولوی نصیر احمد صاحب بی-ایس سی مددگار پروفیسر کلیہ جامعہ عثمانیہ
(۶) تبصرے - ادبستان، چند پند، عقوبت گناہ	شریک مدیر
(۷) شذرات	مدیر

نمبر(۶) ماہ بہمن سنہ ۱۳۳۶ف

(۱) خطبہ جلسہ اسناد جامعہ عثمانیہ	عالیجناب نواب امین یار جنگ بہادر صدر المہام مذہبی سرکار عالی
(۲) مدرسین کے فرائض اور ذمہ داریاں	مولوی محمد مرغوب الدین صاحب بی اے بی ٹی
(۳) بچوں کی تعلیم نمبر(۲)	مولوی احمد حسین صاحب قدوائی مددگار مدرسہ فوقانیہ انگریزی گلبرگہ
(۴) جغرافیہ -	مولوی محمد عبد الغفور صاحب بی اے بی ٹی لکچرار عثمانیہ ٹریننگ کالج بلدہ
(۵) قرضدار پودے -	مسٹر مگن لال بی-اے بی ٹی " " "
(۶) عجائب حساب نمبر(۴)	مولوی نصیر احمد صاحب بی-ایس سی مددگار پروفیسر کلیہ جامعہ عثمانیہ
(۷) تبصرہ - نفسیات ترغیب	شریک مدیر
(۸) شذرات	مدیر

نمبر(۷ و ۸) ماہ اسفندار و فروردی سنہ ۱۳۳۶ف

(۱) خطبۂ صدارت انڈین سائنس کانگریس	سر جگدیش چندر بوس مترجمہ شریک مدیر
(۲) خطبہ صدارت میسور یونیورسٹی	سر پی، سی، رائے مترجمہ شریک مدیر
(۳) نگہداشت اطفال	مولوی سید محمد حسین صاحب بی-اے آکسن نائب ناظم تعلیمات سرکار
(۴) نئی تعلیم کا آئینہ	مسٹر رام پرشاد-بی-اے صدر ہائی سکول ہمیر
(۵) دیسی مدارس اور ابتدائی تعلیم	مولوی سید محمد جواد صاحب بی-اے مددگار جاگیرداران کالج
(۶) کس طرح تعلیم دینی چاہیئے -	مسٹر آلڈس ہکسلی مترجمہ شریک مدیر
(۷) تعلیم اعداد شمار	مسٹر بنسی لال بی-اے بی ٹی مددگار پروفیسر عثمانیہ ٹریننگ کالج
(۸) سایہ - دنوں کے چھوٹے بڑے ہونیکے متعلق سبق	مولوی عبد الغفور صاحب بی-اے بی-ٹی

(۹) عجائب حساب نمبر (۵) — مولوی نصیر احمد صاحب بی ایس سی مددگار پروفیسر سائنس کلیہ جامعہ عثمانیہ

(۱۰) سورج اور سورنی — ایضاً ایضاً

(۱۱) تبصرے۔ میلاد النبی بچوں کی تعلیم برٹرانڈرسل — شریک مدیر وغیرہ

(۱۲) شذرات — مدیر

نمبر (۹) اردی بہشت ۱۳۳۶ف

(۱) انجمن ترقی اردو کا اہم فرض — مولوی محمد ... صاحب ... سابق صدر ... کار ... صیغہ عدالت و کوتوالی

(۲) تقریر جلسہ سالگرہ مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ بیدر — مولوی محمد حسین صاحب ایم۔ اے بی۔ ای۔ ڈی۔ صدر مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ بیدر

(۳) نرائن گاؤں کا زراعتی مدرسہ — مولوی عبدالجبار صاحب سبحانی بی۔ اے بی ٹی ناظر مدارس گلبرگہ

(۴) خطبہ صدارت کانفرنس ... پنجاب — سر جارج اینڈرسن صاحب ناظم تعلیمات پنجاب

(۵) مدارس سرکار عالی اور ورزش جسمانی — ایک مدرس

(۶) تبصرہ۔ خیابان — شریک مدیر

(۷) شذرات — مدیر

نمبر (۱۰ و ۱۱) ماہ خورداد و تیر ۱۳۳۶ف

(۱) خطبہ صدارت مہارانی صاحبہ بڑودہ زنانہ کانفرنس پونہ — ترجمہ مولوی محمد عثمان صاحب بی اے بی۔ ٹی۔ ڈی انگلینڈ نائب صدر عثمانیہ ٹریننگ کالج بلدہ

(۲) پسٹالوزی کے مزار پر دو پھول — مولوی سید محمد حسین صاحب بی۔ اے۔ آکسن نائب ناظم تعلیمات سرکار عالی

(۳) امتحان — مدیر

(۴) انگریزی کا پڑھانا — ڈی۔ ان۔ ایچ مترجمہ شریک مدیر

(۵) مواضعات کی صفائی کے متعلق چند سیدھی سادی ہدایتیں — مترجمہ ڈاکٹر ایس بی سورتی یف آر سی سیول سرجن گلبرگہ

(۶) مدرسہ گھڑی سازی

(۷) ہندوستان میں ابتدائی پرائمری تعلیم	مولوی احمد عبداللہ صاحب المدرسی متعلم بی۔ اے عثمانیہ کالج
(۸) جڑوں کا پانی جذب کرنا	مسٹر جگ موہن لال بی۔ ایس۔ سی۔ ایل۔ ٹی
(۹) حسابی اسباق پر چند اشارات	مسٹر ڈی۔ ایس سی بھوگلے بی۔ اے۔ بی ٹی ٹیچر گورنمنٹ ماڈل اسکول اورنگ آباد۔
(۱۰) بھاپ کے انجن پر ایک عام فہم سبق	مترجمہ شریک مدیر
(۱۱) پنجاب میں جبری تعلیم کی توسیع	ماخوذ از رفیق التعلیم
(۱۲) ڈالٹنی تجویز	مترجمہ شریک مدیر
(۱۳) تبصرے - مجلہ عثمانیہ - سالنامہ صحیفہ - رسالہ تجلی، روئداد کانفرنس اساتذہ گلبرگہ	[illegible]
(۱۴) شذرات	مدیر

نمبر (۱۲) امرداد ۱۳۳۶ف

(۱) اشارات سبق	مولوی عبد الستار صاحب سبحانی۔ بی۔ اے۔ بی ٹی صدر مدرسۂ فوقانیہ گلبرگہ
(۲) صنعتی تعلیم	مترجمہ مولوی عبد الجبار صاحب سبحانی۔ بی۔ اے بی ٹی ناظر تعلیمات ضلع گلبرگہ
(۳) مطالعہ اطفال	مولوی قمر الدین صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی صدر مدرسۂ وسطانیہ کاماریڈی ضلع نظام آباد
(۴) خطبۂ صدارت کانفرنس تعلیمی ضلع نلگنڈہ	مولوی عبد العزیز خانصاحب بی۔ اے صدر مہتمم تعلیمات صوبہ میدک
(۵) قارئین کرام کو مژدہ۔ (انعامی مقابلہ)	مدیران المعلم
(۶) شذرات	مدیر

قارئین کرام کو مژدہ

یہ امر باعثِ اطمنان و مسرت ہے کہ "المعلم" کے نئے سال کے ساتھ ہی ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ سررشتۂ تعلیمات سرکار عالی کی سرپرستی اور ہمارے ناظرین کی دلچسپی۔ قدر شناسی اور حوصلہ افزائی کی بدولت "المعلم" اپنی کم عمری اور ناتوانی کے باوجود اپنے معاصرین کی طرح خریداروں کے اضافہ کے لئے واویلا مچانے کے بجائے اب اس قابل ہو گیا ہے کہ ایک ایسے انعامی مقابلہ کا اعلان کرے جو بلا مبالغہ اردو رسائل کی دنیا میں اپنی مثال نہ رکھتا ہو۔ بڑی ناشکرگزاری ہوگی اگر ہم اس موقع پر "المعلم" نے ان تمام قابل ستائش مضمون نگاروں کا شکریہ ادا نہ کریں جو اسکے وجود کی ابتداء سے اب تک محض اپنی علم دوستی کی خاطر اپنے چیدہ چیدہ خیالات سے "المعلم" کے صفحات کو مرصع کرتے رہے اور ناظرین کی دلچسپی اور اضافہ معلومات کا باعث ہوئے۔ ہم ان تمام قابل قدر اصحاب کی خدمت میں اپنا عاجزانہ شکریہ پیش کرتے ہیں اور متوقع ہیں کہ جس طرح یہ انعامی مقابلہ ان کی بیش بہا قلمی امداد میں کسی طرح سد راہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح وہ ہمارے ان ناظرین کی کثیر تعداد کو مضمون نگاری کی طرف راغب اور متوجہ کریگا جن کے پاکیزہ خیالات اور دیرینہ تجربات کے علم اور اشاعت کے لئے "المعلم" عرصہ سے ٹکٹکی لگائے بیٹھا ہے۔

ہمارا مصمم ارادہ ہے کہ اس نادر انعامی مقابلہ کو مستقل طور پر جاری رکھیں اور حتی الوسع انعامات کی تعداد اور رقوم میں ہر سال کچھ نہ کچھ اضافہ کرتے رہیں۔ لیکن اس انعامی مقابلہ کی حیات و ممات کا بالکلیہ انحصار ہمارے ناظرین کے ہاتھ میں ہے اس لئے ہم بلا مزید صراحت اس کے قواعد درج ذیل کرتے ہیں:۔

قواعد "انعامی مقابلہ"

۱۔ المعلم کے ختم سال پر ایک کمیٹی جس کے ارکین (۱) مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری بی۔اے۔ بی۔ٹی

(۲) مولوی سید محی الدین صاحب بیرسٹر (۳) مولانا وحید الدین صاحب سلیم - (۴) مدیر (۵) شریک مدیر ہونگے۔
شایع شدہ مضامین پر حسبِ ذیل انعامات عطا کریگی :-

انعام درجۂ اول	دعے	سکہ عثمانیہ
" " دوم	دسے	"
" " سوم	دلے	"
" " چہارم	ے	"
انعامات رعایتی ۲ عدد فی صہ	دعہ	"
جملہ (ماں)		"

۲ - مضامین تمام قواعد المعلم کے تحت لکھے جائینگے اور نظری یعنی اشعبۂ تعلیم سے متعلق ہونگے۔ طرایقۂ تعلیم سے متعلقہ مضامین قابلِ ترجیح متصور ہونگے۔
۳ - عمدہ مضامین کے تراجم پر رعایتی انعام دیا جاسکیگا۔
۴ - ایسے معلومات بہم پہنچانے پر جو شذرات میں درج ہوسکیں رعایتی انعام دیا جاسکیگا۔
۵ - بوقت ترسیل مضمون برائے انعامی مقابلہ ان امور کی صراحت ضروری ہوگی کہ (۱) مضمون انعامی مقابلہ کے لئے روانہ کیا جارہا ہے (۲) مضمون نگار خریدار المعلم ہے۔ نمبر خریداری درج کیا جائیگا۔ (۳) یا ایسے مدرسہ یا دفتر میں کارگزار ہے جہاں المعلم خریدا جاتا ہے اس کے بابتہ افسر دفتر یا صدر مدرس کی تصدیق ضروری ہوگی۔ افسر دفتر یا صدر مدرس اپنی تصدیق آپ کرینگے۔
۶ - انعامی مقابلہ میں اراکین کمیٹی شریک نہ ہونگے۔
۷ - کمیٹی اس کی مجاز ہوگی کہ کسی انعام کو دو حصوں میں تقسیم کردے۔
۸ - انعامات کا اعلان سال نو کے پہلے پرچہ میں شایع ہوگا۔ یعنی اس سال کے انعامات کا اعلان شہریور ۱۳۳۸ف کے پرچہ میں شایع ہوگا۔
۹ - کمیٹی کا فیصلہ قطعی ہوگا اور کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔

(مدیران)

سررشتۂ تعلیمات سرکار عالی

پر

ایک نظر

رپورٹ نظم و نسق ممالک محروسہ سرکار نظام الملک آصفجاہ دستنداں کی جلد ۹ جو حال ہی میں حسب الحکم سرکار عالی شایع ہوئی ہے اور جس کے باب ششم میں "درس و تدریس" کے عنوان سے سررشتۂ تعلیمات سرکار عالی کی قدیم و جدید ہیئت ترکیبی کا فوٹو کھینچا گیا ہے چونکہ یہ ایک بے نظیر اور یادگار چیز ہے اس لئے ہم اس کو سال نو کے پہلے نمبر میں ناظرین المعلم کی معلومات کے لئے شایع کرتے ہیں۔ امید ہے کہ نہایت غور و توجہ سے اس مضمون کو پڑھا جائیگا اور اس امر کی داد دیجائیگی کہ اس عہد مبارک دور عثمانی میں سررشتۂ تعلیمات کی کیا سے کیا کایا پلٹ ہوگئی۔

(المعلم)

مدارس ماعملہ اور نگرانی مملکت ہذا میں سرکاری طور پر تعلیم کا آغاز ۱۸۵۴ء میں ہوا جبکہ بلدۂ حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں ایک مدرسہ کی دارالعلوم کے نام سے بنا ڈالی گئی۔ ۱۸۵۹ء میں ہر تعلقہ میں ایک ایک فارسی اور ایک ایک بان ملکی کے مدرسے کے قیام کے متعلق احکام جاری کئے گئے اور یہ بھی حکم دیا گیا کہ ہر ضلع کے مستقر پر ایک ایک مدرسہ کا قیام عمل میں آئے۔ اور ان مدارس کی نگرانی کے لئے کمیٹیاں منعقد کی گئیں مدارس متعلقہ کی نگران کمیٹی دو پٹیلوں اور دو پٹواریوں پر مشتمل تھی جس کا صدر تحصیلدار ہوتا تھا۔ مدارس ضلع کی نگران کمیٹی ایک ایک پٹیل و پٹواری اور انسپکٹر کوتوالی سے ترتیب دی گئی تھی اور اسکی صدارت کے فرائض سوم تعلقدار کو انجام دینے پڑتے تھے۔ اور عہدہ دار آخرالذکر ہی بحیثیت عہدہ اپنے متعلقہ

ضلع کا انسپکٹر مدارس ہوتا تھا اور اثنائے دورہ میں کل مدارس کا امتحان اس کو لینا پڑتا تھا۔ اس طرح تعلیمی انتظام تمام تر کمال عہدہ داران مال کے ہاتھ میں تھا اور چونکہ اُن کے ذمہ اور دوسرے کام رہتے تھے اس لئے وہ جیسی چاہیئے اس کی طرف توجہ مبذول نہیں کر سکتے تھے۔

۱۸۶۸ء میں انتظام تعلیمات اس وقت کے سررشتہ متفرقات کے صدر المہام کے پاس منتقل کیا گیا۔ اور خدمت معلمی کے کل امیدواروں پر دار العلوم میں تعلیم حاصل کرکے سند کا حاصل کرنا لازم گردانا گیا اس کے دو برس بعد سررشتۂ تعلیمات کی نگرانی اس وقت کے مدرسہ انجینیرنگ کے پرنسپل کے تفویض کی گئی لیکن اس تبدیلی کا اثر بلدہ تک ہی محدود رہا۔ بلدہ میں اس تبدیلی سے نتیجہ یہ نکلا کہ دار العلوم کو توڑ کر پانچ برانچ اسکولوں اور ایک انگلو ورنیکلر اسکول پر تقسیم کر دیا گیا۔ ۱۸۷۱ء میں صیغۂ تعلیم کا ایک ناظم مقرر کیا گیا جس نے مدارس اضلاع کی از سر نو تنظیم کی۔ مگر پھر بھی ان مدارس کا انتظام حقیقت میں عہدہ داران مال کے ہی ہاتھ میں رہا اور انتظام تعلیمات کے اصلی کام میں حسب سابق تاخیر ہوتی رہی۔

۱۸۷۱-۸۰ء کے دہ سالہ زمانہ میں تعلیمی امور نے نمایاں ترقی کی۔ ۱۸۷۵ء میں اضلاع پر (۵) ڈپٹی انسپکٹر تعلیمات مقرر کئے گئے۔ جن کے تقرر سے عہدہ داران مال پر سے تعلیمات کے کام کا بار ایک حد تک کم ہو گیا۔ اس کے دو برس بعد بلدہ کا انگلو ورنیکلر اسکول شکست کر دیا گیا اور اس کے طلبہ چادر گھاٹ اسکول میں منتقل کر دئے گئے۔ اور اورنگ آباد میں پہلے پہل ایک انگلو ورنیکلر اسکول کا افتتاح عمل میں لایا گیا۔ ۱۸۷۸ء میں فیس کی ادائی مدارس اضلاع کے متعلق لازمی گردانی گئی۔ اور ۱۸۸۰ء میں چادر گھاٹ ہائی اسکول کو درجۂ دوم کے کالج کے مرتبہ پر ترقی دے کر اسکا الحاق بنام حیدر آباد کالج مدراس یونیورسٹی سے کیا گیا۔ ۱۸۸۷ء میں اس کالج کو درجۂ اول کا کالج بنا دیا گیا۔

۱۸۸۱-۹۰ء کے دہ سالہ زمانہ میں بلدہ کے امراء اور اعزہ کے لڑکوں کی تعلیم کے لئے دو اور مہتم بالشان مدارس کھولے گئے۔ ان میں سے پہلا مدرسہ مدرسۂ عالیہ تھا جو ابتداءً انگریز معلموں کی نگرانی میں بطور ایک خانگی مدرسہ کے نواب سرسالار جنگ اول کے صاحبزادوں اور لواحقین کی

تعلیم کی غرض سے قائم کیا گیا تھا۔ جب سے اس کو ایک سرکاری درسگاہ کی عزت بخشی گئی ہے اس وقت سے برابر لگاتار یہ کامیابی کے ساتھ قائم چلا آرہا ہے۔ او سر امدرسہ مدرسہ اعزہ تھا یہ بھی خانگی طور پر بلدہ کے اعزہ کے لڑکوں کی تعلیم کے غرض سے قائم کیا گیا۔ ان دونوں میں فرق صرف اس قدر تھا کہ اس میں فیس بہ نسبت مدرسہ اول الذکر کے کم لی جاتی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں مدرسہ عالیہ کی اہمیت میں بڑا اضافہ اس طرح کیا گیا کہ حیدرآباد کالج کی کلاسیں بھی اس سے متعلق کر دی گئیں اور وہ حسب سابق ہائی اسکول رہ گیا اور پھر سے بادر گھاٹ ہائی اسکول کے نام سے یاد کیا گیا۔ اس طرح گویا موجودہ نظام کالج کی بنیاد پڑی۔

سررشتۂ تعلیمات کی موجودہ ہیئت ترکیبی حال کی ہیئت ترکیبی کے رو سے سررشتۂ تعلیمات ناظم تعلیمات کے ماتحت ہے۔ جس کی تجاویز توسط معتمد عدالت وکوتوالی وامور عامہ اور صدر المہام متعلقہ سرکار میں پیش ہوتی ہیں۔ معائنہ کا کام ۵ صدر مہتمان تعلیمات اور ۱۰ مہتمان ضلاع انجام دیتے ہیں اور ان کے علاوہ زنانہ مدارس کے معائنہ کے لئے ایک لیڈی انسپکٹر مقرر ہے۔

مدارس کی مجموعی تعداد ختم ۱۳۲۱ف پر پبلک مدارس کی مجموعی تعداد ۱۰۵۴ تھی جن میں سے ۱۷۱ سرکاری ۶۱۲ لوکلفنڈ کے اور ۸۴ علاقہ صرف خاص کے تھے اور ۱۹۴ امدادی اور ۲۳ غیر امدادی تھے۔ اور ان سب مدارس کے طلبہ کی مجموعی تعداد ۴۱۰۵۱ تھی۔ دہ سالہ زمانہ زیر تنقید میں تعلیم نے معتدبہ ترقی کی اور سررشتۂ تعلیمات نے نہ صرف جدید مدارس کھولنے کی کوشش کی بلکہ موجودہ مدارس کے اصلاح حال کے طرف بھی اس نے توجہ کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ختم ۱۳۳۱ف پر مدارس اور ان کے طلبہ کی تعداد علی الترتیب ۴۳۶۵ اور ۲۴۷۲۲۸ پر ترقی کر گئی۔ دہ سالہ زمانہ زیر تنقید میں اس طرح سرکاری مدارس کے تعداد میں ۵۶ مدارس لوکلفنڈ کی تعداد میں ۲۴۶ کا اور مدارس صرف خاص کے تعداد میں ۲۷ کا مدارس امدادی میں ۲۱۴ کا اور مدارس غیر امدادی میں ۲۵ کا اضافہ ہوا۔ ان کے علاوہ ۱۳۳۱ف کے اختتام پر مدارس آنیماتی کی تعداد ۴۸۴ تھی۔ ۱۳۲۱ف یا ۱۳۲۲ف میں اس قسم کا کوئی مدرسہ موجود نہ تھا۔ مدارس

کی تعداد میں وسعت نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ پبلک مدارس میں جانے والے لڑکوں کا تناسب مدارس جانے کے قابل آبادی ذکور کے مقابلہ میں سنہ ۱۳۲۱ف کے ۵ء۸ سے ترقی کرکے سنہ ۱۳۳۱ف میں ۱۰ء۳ پر ترقی کرگیا اور لڑکیوں کا تناسب ۱ء۰ سے ترقی کرکے ۴ ہوگیا۔

شمار طلبہ بلحاظ مذہب۔ تختۂ مندرجۂ ذیل سے سنہ ۱۳۲۱ف اور سنہ ۱۳۳۱ف کے ہر دو سنین کے متعلق طلبہ کی تقسیم بلحاظ مذہب ظاہر ہوگی۔ اِس سلسلہ میں یہ ظاہر کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ پست اقوام کے مدرسہ جانے والے طلبہ کی تعداد میں بمقابلہ سنہ ۱۳۲۲ف کے ۲۴۵ کے سنہ ۱۳۳۱ف میں ۲۳۳۹ کا اضافہ ہوا جس کا سبب یہ تھا کہ اس دہ سالہ عرصہ میں اِس قسم کے طلبہ کے مفاد کی غرض سے جو مدارس کھولے گئے اُن کی تعداد ۹۲ سے کم نہ تھی۔

مذہب	سنہ ۱۳۲۱ف	سنہ ۱۳۳۱ف
مسلمان	۲۵۵۴۱	۸۴۴۵۵
ہندو	۳۶۱۹۲	۱۵۲۴۸۲
عیسائی	۲۴۴۱	۴۸۵۲
پارسی	۱۳۱	۱۴۵
دیگر مذاہب	۷۹۹	۵۲۹۴

مدارج تعلیم تختۂ ذیل سے طلبہ کی تعلیم کے مدارج سنہ ۱۳۲۱ف اور سنہ ۱۳۳۱ف کے ہر دو سنین کے متعلق ظاہر ہونگے :—

مدارج	سنہ ۱۳۲۱ف	سنہ ۱۳۳۱ف
کالج	۱۳۹	۴۹۴

ہائی اسکول	٧٨٠	٢٢٨٥
مڈل	٣٩٢٣	٩٥٩٧
ابتدائی	٥٨٧١٠	٢٣٢٠١٩
خاص	١٥٣٩	٢٨٣٣

خاص خاص زبانیں جن میں تعلیم ہوئی نقشہ ذیل سے اُن طلبہ کی تعداد کا اظہار ہوگا جو دہ سالہ زمانہ کے شروع اور اختتام پر انگریزی اور ریاست کی چار اہم مُلکی زبانوں کی تعلیم پا رہے تھے۔

زبان	تعداد طلبہ زیر تعلیم بزمانہ	
	سلسلہ ١٣٢١ف	سلسلہ ١٣٣١ف
انگریزی	١١٨٧٤	٢٣٣٣١
تلنگی	١٥٥٩٧	٨٥١٣٥
مرہٹی	١٨٢٧٢	٦٢٤٩٧
کنڑی	٤٤٣٧	١٦٢٤٢
اُردو	٢٧٢٣٢	١٢٠١١٣

تعلیم یونیورسٹی سلسلہ ١٣٢١ف میں دو کالج قائم تھے یعنی نظام کالج جو مدراس یونیورسٹی سے ملحق ہے اور کالج مشرقیہ جو دارالعلوم کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور جس میں طلبہ امتحانات السنہ مشرقیہ کے لئے تیار کئے جاتے تھے کالج اول الذکر کے طلبہ کی تعداد ١١٢ اور آخرالذکر کے طلبہ کی تعداد ٢٠٧ تھی۔ کُلیۂ جامعۂ عثمانیہ کا افتتاح ٢١ مہر سلسلہ ١٣٢٩ف کو عمل میں آیا اور اسکے بعد دارالعلوم اس میں بطور اس کے شعبہ دینیات کے ضم کر دیا گیا۔ اس طرح سلسلہ ١٣٣١ف کے اختتام پر بھی

دو کالج یعنی نظام کالج اور کلیہ جامعہ عثمانیہ قائم تھے۔

نظام کالج تعلیم یونیورسٹی کے نقطۂ نظر سے ۱۳۲۱-۳۱ف تا زمانہ بحیثیت مجموعی منجملہ اُن زمانوں کے تھا جن میں نظام کالج کو پائدار ترقی نصیب ہوئی۔ طلبہ کی تعداد ۱۱۲ سے ترقی کرکے ۱۹۹ ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی اُن مضامین کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا جن میں تعلیم دی جاسکتی تھی۔ خاص طور پر قابلِ لحاظ بات یہ تھی کہ تعلیم سائنس کا جدید قطعہ تکمیل کو پہنچا۔ اب طبیعیات اور کیمسٹری کی تعلیم کے لئے نظام کالج سازو سامان سے اسی طرح آراستہ ہے جس طرح کہ اس قسم کی زمانۂ حال کی درسگاہیں ہوتی ہیں۔

نتائج امتحان کے لحاظ سے یہ دہ سالہ زمانہ ایسا کچھ بہتر نہ تھا۔ جن طلبہ نے اپنے آپ کو مدراس یونیورسٹی کی ڈگری کا اہل ثابت کیا ان کی تعداد ۵۹ اور جنہوں نے امتحان انٹرمیڈیٹ میں کامیابی حاصل کی اُن کی تعداد ۷۴ تھی۔ مدراس یونیورسٹی کے امتحان بالعموم سخت تصور کئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کی ایک وجہ یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ اس دہ سالہ زمانہ میں کئی ایک زیادہ ہونہار طلبہ نے سول سروس کلاس میں شریک ہونے کے لئے ڈگری کے کورس کو خیرباد کہدیا تھا اور مزید براں جنگ اور بعض دیگر وجوہ کے بنا پر کالج کے اسٹاف کے جو سینیر ممبر تین تا پانچ سال تک کی مدت کے لئے کالج سے الگ رہے اُن کی تعداد ۵ سے کم نہ تھی۔ اگرچہ اس صورت حال کی تلافی اس طرح ہو گئی کہ جب طلبہ اپنے بل بوتہ پر کھڑے ہوئے تو انہوں نے اپنے مشاغل اور دوسری مصروفیتوں کے پیدا کرنے میں زیادہ جدوجہد کی۔ زمانہ زیر تنقید میں ہائی سکولوں سے طلبہ کی کھیپیں جن سے کالج کی کلاسوں کی سربراہی ہوتی ہے زیادہ نکلنے لگیں۔ اسکی غالب وجہ ابتدائی مدارس کی اصلاح ہے جہاں سے ہائی اسکولوں کو طلبہ کی سربراہی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کالج کے طلبہ زندگی کے منشاء کو عمیق نظر سے دیکھنے لگے ہیں اور اُن میں عام مفاد کا خیال زیادہ پیدا ہو گیا ہے اور امتحان کے ہوا سے کم مرعوب ہونے لگے ہیں۔ اس زمانہ کو توسیع تعلیم کے علاوہ یہ بھی امتیاز حاصل ہے کہ اس میں صرف تعلیم ہی نے ترقی نہیں کی ہے بلکہ تعلیم کا جو صحیح منشاء و مفہوم ہے

ہر ایک کو بھی اس میں ترقی ہوئی ہے

خوف یہ تھا کہ کلیہ جامعہ عثمانیہ کے قیام سے نظام کالج کے طلبہ خصوصاً مسلمان طلبہ کی تعداد میں معتد بہ کمی واقع ہوگی۔ مگر نظام کالج میں مسلمان طلبہ کی تعداد فیصدی خاصی ہی جو سنہ ۱۳۲۱ میں ۵۰ اور سنہ ۱۳۳۰ف میں ۵۹ تھی لیکن سنہ ۱۳۳۱ف میں یہ گھٹ کر ۴۱ ہوگئی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ کمی بالاستقلال رہتی ہے یا کیا۔

جامعہ عثمانیہ مملکت ہذا کی تعلیمی تاریخ میں جامعہ عثمانیہ کا قیام جس میں زبان اردو کے ذریعہ سے تعلیم دیجاتی ہے۔ وہ سالہ زمانہ زیر تنقید کا بلاشبہ نہایت مہتم بالشان واقعہ ہے۔ مملکت ہذا میں یونیورسٹی کے تعلیم کی حالت جمود و خمود کی تھی اور اس کو اس سے نجات دلانے کے لئے ایک باکمال تدبیر کی ضرورت تھی۔ جیساکہ اوپر بیان ہوچکا ہے۔ مشرقی یا مغربی اعلیٰ تعلیم کے دلولوں کے پورا کرنے کے لئے صرف دو درس گاہیں یعنی دارالعلوم اور نظام کالج یہاں موجود تھیں۔ جن میں سے اول الذکر جو مسلمانوں کی دینی اور اسلامی تعلیم کے لئے مخصوص تھی بالکل نیم مردہ حالت میں تھی گو اس کے طلبہ کو فیاضانہ وظائف عطا کئے جاتے تھے۔ لیکن پھر بھی معلوم ایسا ہوتا تھا کہ اُس نے اب دم توڑا اور اب دم توڑا۔ نظام کالج جو درجہ اول کے کالج کی حیثیت سے مدراس یونیورسٹی کے ساتھ ملحق تھا اس کی حالت بھی کچھ بہتر نہ تھی۔ نہ تو اس کے زیر تعلیم طلبہ کی تعداد اور نہ اُن طلبہ کی تعداد جو اس سے کامیاب ہوکر نکل چکے تھے ایسی تھی کہ وہ ایک ایسی تعلیم گاہ کے لئے قابل اطمینان سمجھی جاسکتی کہ جس کے ذمہ ایک کروڑ ۲۰ لاکھ نفوس کی ضروریات کا پورا کرنا تھا ان دونوں درسگاہوں کے اسٹاف میں محنتی اور کامل الفن پروفیسر شریک تھے جو کسی درسگاہ کے لئے بھی قابل تحسین سمجھے جاسکتے تھے۔ لیکن بظاہر مملکت ہذا کے طریقہ تعلیم میں کوئی ایسا نقص موجود تھا جو نوجوانانِ ملک کو حصول ترقی تعلیم کے اُن فیاضانہ مواقع سے مستفید ہونے سے روکتا تھا جو ان درسگاہوں سے ان کو مل رہے تھے۔ اس قابل افسوس حالت کا جو الزام لوگ مدرس یونیورسٹی کے سر تھوپنے کی جانب مائل تھے اس کو خیال میں رکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک حد تک وہ صحیح تھا کیونکہ یونیورسٹی کا تعلق کالج سے

صرف امتحان لینے والی ایک بیرونی جماعت کی حیثیت تھا جو مقامی حالات کو ملحوظ نہیں رکھ سکتی تھی۔ اور جس کی انتظامی اور امتحان لینے والی جماعت میں کالج کے اسٹاف کی موثر طریق سے نمایندگی نہیں ہوسکتی تھی۔ لیکن یہ سب باتیں دارالعلوم کی نسبت نہیں کہی جاسکتیں جو خود ابتدا سے اس کے امتحان تمام و کمال سررشتہ تعلیمات کے زیر نگرانی تھے اس طرح ان دونوں درسگاہوں کی غیر ہردلعزیزی کے اسباب زیادہ عمیق تھے اور معلوم ایسا ہوتا تھا کہ جو طریقے ان درسگاہوں کے کام چلانے کے لئے اختیار کیے گئے تھے ان کا اثر پبلک پر کافی طور پر مترتب نہیں ہوا۔ دارالعلوم کا درجہ قدیم تعلیم کے ادارہ سے جس نے صدیوں تک اپنے ہواخواہوں کی خوب خدمت انجام دی بلند کیا گیا تھا لیکن تعلیم قدیم حالات حاضرہ کے مناسب حال نہ تھی۔ اس کے لئے ضرورت اس کی تھی کہ موجودہ تعلیم اور زمانۂ حال کی نکتہ چینی اس میں شریک کرکے اس کو تازہ سانس لینے کا موقع دیا جائے۔ کیونکہ ایک یہی تدبیر تھی جس سے اس کی جان بچ سکتی تھی۔ دارالعلوم کے نصاب میں زمانہ حال کی سائنس اور علم اخلاق و آداب کو شریک کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن فی الاصل اس کا نصاب کچھ فیاضانہ نہ تھا اور اس سے یہ امید نہ ہوسکتی تھی کہ دارالعلوم کے برے دن ٹل جائینگے اگر ضرورت تھی تو اس کی تھی کہ جڑ پیڑ سے اصلاح عمل میں لائی جائے تاکہ اعلیٰ تعلیم قابل اطمینان پایہ پر قائم کی جاسکے اور بیرونی مداخلت اور تحکم سے اسے نجات مل سکے۔

جس اصلاح کی ایسی شدید ضرورت تھی اس میں کچھ تاخیر تھی اور یہ بات قدرت نے اعلیٰحضرت حضور دکن کی ذات ستودہ صفات کے ساتھ مختص کر رکھی تھی کہ آپ جامعہ عثمانیہ قایم فرما کر اپنی رعایا کو دولت لازوال سے متمتع فرمائیں اس جامعہ کے چند بالکل ابتدائی سالوں کی بے نظیر کامیابی نے تمام نکتہ چینیوں کا قلع قمع کردیا اور ہر چہار طرف سے بطور ایک تاریخی یادگار کے اس کی تحسین و آفریں کی گئی۔ اور بیرون ملک بھی تعلیم یونیورسٹی پر جس کے شاندار ہونے کا اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے۔ حضرت اقدس و اعلیٰ کے عہد میمون کے ابتدائی حصہ میں ایک مشیر تعلیم کا تقرر اس غرض سے عمل میں لایا گیا تھا کہ وہ مملکت ہذا کی ترقی تعلیم کے متعلق تنظیم جدید پیش کریں۔ چنانچہ ان کے مشورہ کی بنا پر ابتدائی و ثانوی تعلیم کے سسٹم کی از سرنو تکمیل

اصلاح و درستی کی گئی مدارس کی تعداد میں بہت کچھ اضافہ کیا گیا اور تمام مدارس میں بہترین اساتذہ رکھے گئے اور ان کو ہر طرح کے ساز و سامان سے آراستہ کیا گیا۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے مسئلہ پر توجہ کی گئی۔ اور اوائل ۱۹۱۷ء و ۱۳۲۶ ف میں مسٹر اکبر حیدری (نواب حیدر نواز جنگ بہادر) نے جو اس وقت سررشتۂ تعلیمات سرکار عالی کے معتمد تھے۔ بارگاہ خسروی میں ایک یاد داشت گزرانی کی جس میں انہوں نے تعلیم کی موجودہ حالت پر نظر ڈال کر اور غیر زبان کے ذریعہ سے تعلیم دینے کے جو نقائص ہیں ان سے بحث کرکے اس بات کی سفارش کی کہ ریاست کی خاص ضروریات اور حالات کے لحاظ سے ہم کو ایک ایسی جدید یونیورسٹی کی ضرورت ہے جس میں وہ نقائص نہ ہوں جو موجودہ طریقۂ تعلیم میں پائے جاتے ہیں اور جس سے توقع کی جا سکے کہ وہ ان نقائص کو دور کرے گی۔ اس غرض سے جو یونیورسٹی قائم کی جائیگی اس کی بنیاد تعلیم کے ضروری اصول پر رکھی جائیگی۔ اور اس میں رعایا کی خاص ضروریات اور قومی خصوصیات کا لحاظ ملحوظ رہیگا اور اس کے لئے موجودہ اور قدیم طریقہ تعلیم کی بہترین باتیں اختیار کی جائینگی۔ اس سے تعلیم دینے اور امتحان لینے کا کام لیا جائیگا۔ اور اس کے علاوہ یہ یونیورسٹی اس کا بھی ذمہ لے گی کہ علم آموزی اور ذہنی تربیت دونوں کی غرض سے زبان اردو میں کتابیں تالیف اور ترجمہ کی جائیں۔ اسی یادداشت میں مسٹر حیدری نے ان نقائص کا بھی تفصیل سے ذکر کیا جو ایک غیر زبان کے ذریعہ سے تعلیم دینے کی بنا پر موجودہ طریقۂ تعلیم میں پائے جاتے تھے جن میں سے بعض یہ تھے کہ طلبہ کے حافظہ پر غیر ضروری اور نا واجبی طور پر زور پڑتا ہے۔ غیر زبان کی مشکلات و پیچیدگیوں سے عادی ہونے کے لئے وقت ضائع جاتا ہے اور جو مضمون سکھایا جاتا ہے وہ ذہن نشین نہیں ہوتا استعداد بڑھنے نہیں پاتی۔ اور گریجویٹوں میں یہ قابلیت نہیں ہوتی کہ وہ اپنی مادری زبان میں اپنے ابنائے وطن کو تعلیم دے سکیں۔ اس طرح تعلیم یافتہ اور عامۂ خلائق کے درمیان ایک ناقابلِ عبور خلیج پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ انہوں نے ان دو اعتراضوں کا بھی اپنی یاد داشت میں حوالہ دیا تھا جس کا امکان زبان اردو کو مجوزہ یونیورسٹی میں ذریعہ تعلیم قرار دئے جانے کے

متعلق تھا جس میں سے پہلا اعتراض یہ تھا کہ رعایائے ملک کا زیادہ تر حصہ اُردو کے علاوہ دوسری زبان بولتا ہے۔ اور دوسرا اعتراض یہ تھا کہ زبان اُردو میں درسی کتابیں موجود نہیں ہیں۔ پہلا اعتراض کے متعلق اُن کا جواب یہ تھا کہ گو یہ سچ ہے کہ اُن لوگوں کی تعداد قلیل ہے جن کی مادری زبان اُردو ہے لیکن بریں ہم زبان اُردو کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ ریاست کی دفتری اور اصلاح شدہ زبان اور مہذب سوسائٹی میں بولی جاتی ہے اور عام طور پر یہ اُن جماعتوں میں رائج ہے جن سے کالج کی تعلیم کے لئے لڑکے آتے ہیں۔ اور دوسرے اعتراض کا جواب سر حیدری نے یہ دیا تھا کہ اگر سررشتہ تالیف وترجمہ یونیورسٹی سے متعلق کر دیا جائیگا تو جو کتابیں کالج کلاسوں کے لئے مطلوب ہونگی وہ تھوڑے ہی عرصہ میں تیار کرائی جاسکیں گی۔

حضرت اقدس و اعلیٰ نے جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ آپ ترقی تعلیم سے گہری اور مستحکم دلچسپی رکھتے ہیں ازراہ عطوفت خسروانہ اس تجویز کو شرف قبولیت عطا فرمایا اور اسوقت سے ابتک اس تحریک کی ترقی وکامیابی کے ساتھ انتہائی دلچسپی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ اعلیحضرت اقدس و اعلیٰ کی شاہانہ فیاضی اور ہمدردانہ رہبری کے بغیر اس تحریک کے بارآور ہونے کی توقع بھی نہیں ہوسکتی تھی۔ قیام یونیورسٹی کے متعلق جو فرمان حکمت توامان مسترشدہ ۱۶ ذیحجہ ۱۳۳۵ھ شرف صدور لایا تھا اُس کے الفاظ بطور فخر ومباہات ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں

وہ آراء منظور کئے جاتے ہیں جو اس مملکت میں ایک ایسی یونیورسٹی کے قیام کے متعلق عرضداشت اور اُس کی ساتھ کی یادداشت میں عرض کئے گئے ہیں کہ جس میں زمانۂ قدیم اور زمانۂ حال کے علم وکمال کو باہم اس یکجہتی کے ساتھ ضم کیا جائے جس سے وہ نقائص دور ہوجائیں جو موجودہ طریقۂ تعلیم سے پیدا ہوئے ہیں اور جسمانی۔ ذہنی اور روحانی تہذیب وآراستگی کے جو بہترین فوائد زمانۂ موجودہ اور زمانۂ قدیم کے طریقۂ تعلیم میں موجود ہیں وہ پورے طور پر حاصل کئے جاسکیں۔ اس سے جو مقصد اول یہ ہے کہ مملکت میں تعلیم پھیلائی جائے اس کے علاوہ اس کا مطمح نظر یہ بھی ہو چاہیے کہ طلبہ کی اخلاقی تربیت بھی کی جائے اور اُن میں تمام سائنٹفک مضامین کی تحقیق کا شوق

پیدا کیا جائے۔ یونیورسٹی کے انجام دہی کار کا ضروری اصول یہ ہونا چاہیئے کہ اعلیٰ تعلیم زبان اردو کے ذریعے دی جائے اور اس کے ساتھ ہی بحیثیت زبان ہر طالب علم کے لئے زبان انگریزی کا سیکھنا بھی لازم گردانا جائے۔ اس غرض و مقصد کو پیشِ نظر رکھکر حکم دیا جاتا ہے کہ جو اصول عرضداشت میں عرض کئے گئے ہیں ان پر میری تخت نشینی کے یادگار کے طور پر ممالک محروسہ کے لئے ایک یونیورسٹی قائم کرنے کی کارروائی شروع کی جائے اور اس کو عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے نام سے موسوم کیا جائے۔

ترتیب نصاب تعلیم | بمتابعت فرمان خسروی سررشتۂ تعلیمات فی الفور اس مہتم بالشان مقصد کی بجا آوری کی ضروری تیاری میں مصروف ہو گیا۔ مجوزہ یونیورسٹی کی آرٹس اور دینیات کی تعلیم کے نصاب پر غور کرنے کے لئے کمیٹیاں قائم کی گئیں۔ اور ان کمیٹیوں نے جو نصاب تجویز کیا اس کی فہرستیں وسیع پیمانہ پر انگلستان اور ہندوستان کے تعلیمی حلقوں میں گشت کرائی گئیں۔ اخیر میں یونیورسٹی سے دلچسپی اور تعلق رکھنے والوں کو یہ دیکھ کر اطمینان حاصل ہوا کہ جن نتائج پر وہ پہنچے تھے وہ کم و بیش نامی گرامی ماہرین تعلیم کے پسند آئے۔

ان فہرست ہائے نصاب کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ امتحان میٹریکولیشن کے بہت سے مضامین بعض مضامین کے متعلق مدارس کے ذمہ دار اشخاص کے سرٹیفکٹ قبول کئے جانے کا قاعدہ مقرر کر کے کم کر دئے گئے۔ امتحان انٹرمیڈیئٹ کے متعلق بمقابلہ ہندوستان کی دوسری یونیورسٹیوں کے مضامین امتحان کے انتخاب میں زیادہ آزادی دی گئی اور اس کے ساتھ ہی مضامین امتحان کی اس عنوان سے گروپ بندی کی گئی کہ طالب علم کم و بیش باہم دیگر مماثل اور ایک طرح کے مضامین لے سکے۔ مضامین کی تقسیم جدا جدا گروپوں میں جو کی گئی ہے اس سے بی۔اے کی کلاسوں میں حتی الامکان وسیع مطالعہ کا موقع مل گیا ہے۔ کیونکہ انگریزی اور دینیات کے علاوہ جو لازمی مضامین ہیں طالب علم صرف ایک خاص مضمون ایسا لے سکتا ہے جس میں وہ اسپشلسٹ ہو سکے اور بعد میں اس میں محققانہ درجہ حاصل کر سکے۔

قیام دارالترجمہ | یونیورسٹی کا سب سے پہلا استعماری کام یہ تھا کہ مولوی عبدالحق صاحب کی

نگرانی میں جو اُردو کے مشہور انشار پرداز اور فاضل اجل ہیں ۸ مترجمین کے اسٹاف کے ساتھ ایک دارالترجمہ قائم کیا گیا۔ اس کا قیام آبان ۱۳۲۶ف میں عمل میں آیا اور ۱۳۳۱ف کے اختتام تک اس میں تقریباً ۷۰ تمام کتابیں ترجمہ ہو گئیں جن کی امتحان میٹریکیولیشن۔ انٹرمیڈیٹ۔ اور بی۔اے کے لئے ضرورت تھی۔ اس لحاظ سے کہ یہ پہلا ہی موقع تھا کہ عملی طور پر زبان اُردو کو سائنٹفک خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا گیا تھا۔ جو کام دارالترجمہ نے انجام دیا نہایت ہی لائق تحسین تھا۔ یہ سچ ہے کہ بعض کتب ریاضی اور سائنس کا اردو ترجمہ شمالی ہند میں کیا گیا تھا۔ لیکن حالات بالکل مختلف تھے۔ جو کتابیں کسی یونیورسٹی کی طرف سے شایع ہوں وہ مستند اور علمی پایہ کی ہونی چاہئیں اس اصول پر عمل پیرا ہونے کے باعث منتظمین یونیورسٹی کو بڑا خیال اس کا تھا کہ انتظام ایسا کیا جائے کہ ترجمہ صحیح اور طریقہ بیان یکساں ہو۔ پہلی مہم جو سر کرنی پڑی وہ یہ تھی کہ مختلف سائنسوں کے مصطلحات گڑھے گئے اور اس کام کے لئے علمائے قدیم و جدید کی کمیٹیاں منعقد کرنی پڑیں۔ ان کمیٹیوں کے اراکین کے سپرد جو کام کیا گیا تھا وہ بڑا دقت طلب تھا لیکن سائنس کی مصطلحات گڑھنے میں انہوں نے جو محنت شاقہ برداشت کی اس سے مترجمین کا کام بہت سہل ہو گیا۔ دارالترجمہ کے سب سے پہلے ناظم مسٹر عبدالحق نے اپنی دلچسپ رپورٹ میں جو انہوں نے دارالترجمہ کی ۱۳۲۷ف کی کارگزاری کے متعلق لکھی تھی۔ مترجمین کی اُن کوششوں کا مشرح حال لکھا ہے جو اُن کو اول اول کرنی پڑیں۔ جو کام اُن کے سپرد کیا گیا تھا وہ بالکل نئی قسم کا تھا۔ کیونکہ زبان انگریزی و اردو کے طرز بیان فقروں کی ترکیب اور ان دونوں زبانوں کے اظہار خیالات کے طریقوں میں بڑا فرق ہے۔ لیکن سرکار عالی کی دور اندیشی سے جو انتظامات کئے گئے تھے ان کے باعث مترجمین کی مشکلات رفتہ رفتہ حل ہوتی گئیں اور ان کے کئے ہوئے کام کی مقدار بہت کچھ بڑھتی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دارالترجمہ کے قائم ہونے کے دو ہی سال کے بعد کلیہ جامعہ عثمانیہ کا قیام ممکن ہو گیا۔ دارالترجمہ کے کام کا طریقہ یہ قرار دیا گیا تھا کہ مترجم ترجمہ کا کام شروع کرنے کے قبل ترجمہ شدنی کتاب سے تمام سائنٹفک اور دوسری اصطلاحیں چن لے اور اُن کی فہرست ناظم دارالترجمہ کے پاس پیش کر دے اور ناظم دارالترجمہ اُس کو اُس کمیٹی مصطلحات میں بھیجدے جس مضمون سے

وہ تعلق رکھتی ہو۔ اور جب مصطلحات استعمال شدنی کمل طور پر طے ہو جائیں تو مترجم اپنا کام شروع کردے اس کا کیا ہوا ترجمہ تفصیل کے ساتھ ادبی اور مذہبی ناظر اور ناظم دارالترجمہ دیکھتے تھے اور اس کے بعد وہ چھپنے کے لئے مطبع میں بھیجا جاتا تھا۔ اگرچہ یہ کارروائی طویل تھی لیکن اس کی ضرورت اس لئے تھی کہ صحت کا اطمینان کلی ہوجائے۔ پھر ترجمہ کی لکھائی اور چھپائی کی جانب بھی ایسی ہی توجہ کی جاتی تھی ترجمہ کا مسودہ مطبع میں بھیجے جانے کے قبل صاف کرایا جاتا تھا اور پروف کی تنقیح مطبع اور دارالترجمہ کے مصحح اور پھر خود مترجم کرتے تھے۔ سنگی مطابع میں غلطی کا رہ جانا ناگزیر ہے یہی وجہ ہے کہ تمام ممکنہ احتیاطوں کے عمل میں لائے جانے کے باوجود بھی یونیورسٹی کی شایع شدہ کتابوں میں کچھ کچھ غلطیاں باقی رہ گئی ہیں۔

دارالترجمہ کا کام آبان ۱۳۲۶ف میں شروع ہوا جو مستعدی اور جانفشانی کے ساتھ جاری رکھا گیا اور اختتام ۱۳۳۱ف تک ۵۸ کتابیں طبع اور ۲۹ شایع ہوئیں۔ اور ۴۵ کتب زیر طبع اور ۴۰ زیر ترجمہ تھیں۔

دارالترجمہ کا اسٹاف سوائے اس تبدیلی کے کہ فارسی اور عربی مترجمین رکھے گئے بدستور رہا۔ اور فارسی و عربی مترجمین کی ضرورت عربی فارسی کی تاریخی کتابوں کے ترجمہ کے لئے پیش آئی کیونکہ یونیورسٹی کے منتظمین کی رائے یہ ہوئی کہ طلبہ کو پرانی تاریخی کتابوں کے راست ترجمہ کا مطالعہ کرانا اس سے بہتر ہوگا کہ ان کو ان کے دوسرے طریق سے فراہم کئے ہوئے مطالب پڑھائے جائیں جو اکثر و بیشتر مختلف اور غلط فہمی پیدا کرنیوالی تصانیف کی صورت میں ہوتے ہیں اول اول خیال یہ کیا گیا تھا کہ ابتداء میں مترجمین کا جو اسٹاف مامور کیا گیا تھا وہ کافی ہوگا۔ لیکن بعد میں جب یہ دیکھا گیا کہ وہ ان کل کتابوں کا ترجمہ نہیں کرسکیگا جو انٹرمیڈیئیٹ اور بی۔ اے کے امتحانات کے لئے مطلوب ہیں اور جن کے متعلق یونیورسٹی نے انتخاب مضامین کی بہت کچھ آزادی طلبہ کو دیدی ہے تو منتخب کتب میں سے بہت سی کتابوں کا ترجمہ اجرت کے طریقہ پر دارالترجمہ سے باہر کرایا گیا اور یہ طریقہ جید مفید ثابت ہوا۔ اول تو مترجمین کا انتخاب نہایت احتیاط سے کیا گیا۔ پھر مطبع میں ان کے تراجم کے بھیجے جانے کے قبل کالج کے پروفیسروں نے بڑی خبرداری سے ان کے ترجموں کی جانچ کی۔

مولوی عبدالحق صاحب شہریور ۱۳۲۸ف تک دارالترجمہ کے انچارج رہے انکے صوبۂ اورنگ آباد کے

صدر مہتمم تعلیمات مقرر ہوئے پر دارالترجمہ ۲۰ اسفندار ۱۳۳۰ف تک جامعہ عثمانیہ کے سجلین کے زیر نگرانی یکے بعد دیگرے رہا۔ اور اس کے بعد سے مسٹر محمد عنایت اللہ بی۔ اے ہمہ وقتی ناظم کے طور پر مامور کئے گئے۔

کلیہ جامعۂ عثمانیہ کا افتتاح | جب دارالترجمہ سے انٹرمیڈیٹ کلاسوں کی کتابوں کی کافی تعداد تیار ہو چکی تو حیدرآباد کی سربرآوردہ جماعت کے لوگوں کے مواجہہ میں ۲۸ اگست ۱۹۱۹ء (۲۱ مہر ۱۳۲۸ف) کو کلیہ جامعہ عثمانیہ کا افتتاح عمل میں لایا گیا۔ خوف یہ ظاہر کیا جا رہا تھا کہ کلیہ جامعہ عثمانیہ طلبہ کی توجہ اپنی جانب منعطف نہیں کرا سکیگا۔ لیکن کالج کے افتتاح کے پہلے ہی ۹۰ درخواستیں داخلہ کی آ چکی تھیں۔ اور ہر بعد میں ۲۵ طلبا اور اس میں داخل ہوئے۔ مسٹر سید مہدی حسین بلگرامی (نواب مہدی یار جنگ بہادر) ایم اے (آکسن) اور مسٹر سید راس مسعود (نواب مسعود جنگ بہادر) بی۔ اے (آکسن) آئی۔ ای۔ ایس۔ چند ماہ تک کالج کی پرنسپلی کے فرائض انجام دیتے رہے اس کے بعد دو سال کی آزمائش پر ڈاکٹر صدیقی ایم۔ اے پی۔ ایچ۔ ڈی کا تقرر پرنسپلی کی خدمت پر کرکے اس کا انتظام گویا کسی قدر زیادہ مستقل طور سے کیا گیا۔ شعبۂ آرٹس کا امتحان انٹرمیڈیٹ پہلی مرتبہ ۱۳۳۰ف میں لیا گیا۔ جس میں ۱۱۷ طلبہ نے اپنا نام درج رجسٹر کرایا۔ جن میں سے ۱۱۶ شریک امتحان ہوئے منجملہ جن کے ۹۷ کلیہ جامعہ عثمانیہ کے طلبا اور ۱۹ سررشتۂ تعلیمات کے اساتذہ اور ناظران تھے جو بطور پرائیوٹ طلبہ کے شریک کئے گئے تھے۔ کالج کے طلبہ کا نتیجہ نہایت ہی قابلِ اطمینان رہا۔ یعنی ۹۷ میں سے ۸۲ کامیاب ہوئے جن میں سے ۹ نے درجہ اول میں کامیابی حاصل کی۔ دوسرے امتحان میں جو ۱۳۳۱ف میں لیا گیا تھا کالج کے ۱۰۴ طلبہ میں سے ۶۰ طلبہ کامیاب ہوئے۔ یہ نتیجہ ایسا اطمینان بخش نہ تھا جیسا کہ سال ماسبق کا رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بی۔ اے کی جماعت اثنائے سال میں قائم کی گئی تھی۔ لیکن اساتذہ کا اسٹاف نہیں بڑھایا گیا تھا۔ جس کا خراب اثر کام پر یہ پڑا۔ کیونکہ جو اسٹاف اصل میں انٹرمیڈیٹ کالج کی ضروریات کو پیش نظر رکھکر مامور کیا گیا تھا اسکو تیسرے سال کی جماعت کو بھی تعلیم دینی پڑی۔ امتحان انٹرمیڈیٹ کے شعبۂ دینیات میں ۱۳۳۰ف میں ۳ اور ۱۳۳۱ف میں دو طلبا شریک ہوئے تھے جو سب کے سب کامیاب رہے۔

۱۳۳۰ف میں بی۔ اے کلاس کا افتتاح عمل میں آیا۔ ۱۳۳۱ف کے اختتام پر طلبہ کی مجموعی تعداد ۳۰۵ تھی جن میں سے ۲۹۹ شعبہ فنون میں اور ۶ شعبہ دینیات میں تھے۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں کالج کے طلبہ کی تعداد ۳۰۰ تک پہنچ گئی جو کالج کی ہر دلعزیزی اور اسکی قدر و منزلت کی ایک کھلی ہوئی علامت ہے۔

کالج کا اسٹاف انٹرمیڈیٹ کالج کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اول اول ۴ پروفیسروں اور ۱۰ اسسٹنٹ پروفیسروں کے تقرر کی منظوری ہوئی تھی۔ لیکن ۱۳۳۰ف میں بی۔ اے کلاس کھولے جانے کے خیال سے متعدد جدید جائدادیں قائم کی گئی تھیں اور ۱۳۳۱ف کے اختتام پر کالج کے منظور شدہ اسٹاف کی تعداد حسب ذیل تھی:۔

پرنسپل	[illegible]	... [illegible] ...	[illegible]
۱۴ پروفیسر	[illegible]	... [illegible] ...	[illegible]
۱۷ اسسٹنٹ پروفیسر	[illegible]	... [illegible] ...	[illegible]
۱۷ اسسٹنٹ پروفیسر	[illegible]	... [illegible] ...	[illegible]
۲ ڈیمانسٹریٹر	[illegible]	... [illegible] ...	[illegible]

کتب خانہ جامعہ عثمانیہ منتظمین یونیورسٹی نے کالج کو ایک لائق نمونہ درسگاہ بنانے کی بڑی کوشش کی۔ یہ بات ان کے اختیار سے باہر تھی کہ شروع ہی میں وہ اس کے لئے کسی مستقل عمارت کے مہیا کرنے کا انتظام کرتے کیونکہ سرکاری عمارتوں میں سے کوئی عمارت اس مقصد کے لئے نہیں دستیاب ہوسکتی تھی۔ لیکن حسن اتفاق سے بلدہ کے پاک صاف ترین مقام پر تین بڑی عمارتیں دستیاب ہوگئیں جو یونیورسٹی کے اغراض کے پورا کرنے میں بخوبی کام آرہی ہیں۔ کتب خانہ جامعہ عثمانیہ کا قیام [illegible] پچیس ہزار کی رقم کے ابتدائی عطیہ سے عمل میں لایا گیا۔ جس میں پھر ایک لاکھ کی رقم کا اور اضافہ کیا گیا۔

آذر ۱۳۳۰ف میں سالانہ امداد کی رقم [illegible] سے بڑھا کر [illegible] کردی گئی ۱۳۳۱ف

میں بیان کیا گیا تھا کہ روزانہ ۱۰۰ طلباء نے کتب خانہ میں کتابوں کا مطالعہ کیا۔ قیام کالج کے شروع ہی طلبہ کی رہائش کا انتظام کیا گیا تھا۔ آذر ۱۳۳۱ف میں دو ہاسٹل قائم تھے۔ جن میں ۱۰۰ طلبہ رہتے تھے طلبہ کو علمی مشاغل میں مشغول رہنے کی ترغیب و تحریص دی گئی اور اس غرض کے لئے کالج اور ہاسٹل دونوں میں علمی سوسائٹیاں قائم کی گئیں۔ کھیلوں کی طرف بھی طلبہ کو رغبت دلائی گئی اور کالج کی فٹ بال ٹیم نے مقامی ٹورنمنٹوں میں بہت سے کپ اور شیلڈ حاصل کئے۔

رصدگاہ نظامیہ | رصدگاہ نظامیہ جو اپنے قیام کے وقت یعنی ۱۹۰۸ء سے سررشتہ فینانس کے تحت چلی آرہی تھی ۱۳۲۹ف میں جامعۂ عثمانیہ کے تحت کی گئی۔ رصدگاہ نظامیہ منطقات ۱۷ درجہ ۱۸ درجہ ۱۹ درجہ ۲۰ درجہ اور پھر منطقہ ۲۰ و ۲۱ درجہ کی پیمائش کے کام کے ساتھ ستاروں کی فہرست تیار کرنے کے کام میں مصروف تھی۔ اخیر میں یہ سب کام تکمیل کو پہنچ کر اس کی اشاعت بھی ہوگئی۔

مصارف یونیورسٹی | ۱۳۳۱ف میں یونیورسٹی کے مختلف شعبوں کے مصارف کی تعداد حسب تفصیل ذیل تھی :—

کلیہ جامعۂ عثمانیہ	[illegible]
دارالترجمہ	[illegible]
دفتر مجلس	[illegible]
رصدگاہ نظامیہ	[illegible]

تعلیم ثانوی | دہ سالہ زمانہ زیر تنقید کے آغاز پر تعلیم ثانوی دو ممیز حصوں پر منقسم تھی تعلیمی یعنی انگلو ورنیکلر اور ورنیکلر۔ اول الذکر میں انگریزی ہائی اسکول اور مڈل اسکول اور آخر الذکر میں فوقانیہ یا مشرقی ہائی اسکول اور ورنیکلر مڈل اسکول اور مدارس رشدیہ شریک تھے۔ انگریزی ہائی اسکولوں میں طلبہ ہائی اسکول لیونگ سرٹیفکٹ کے امتحان کے لئے اور مدارس فوقانیہ میں

امتحانات منشی و مولوی کے لئے جن کے بعد دارالعلوم کا داخلہ ہوتا تھا تیار کئے جاتے تھے۔ اینگلو ورنیکلر مڈل اسکولوں میں طلبہ مقامی مڈل اسکول امتحان کے لئے تیار کئے جاتے تھے۔ جن کے بعد طلبہ انگریزی ہائی اسکولوں میں داخل ہوتے تھے اور ورنیکلر مڈل اسکولوں میں طلبہ بذریعہ زبان اردو امتحان مڈل کے لئے تیار کئے جاتے تھے۔ مدارس رشدیہ میں مشرقی نصاب نمایاں طور پر شریک تھا جس کے بعد مدارس فوقانیہ میں طلبہ کا داخلہ ہوتا تھا۔

۱۳۲۴ف میں مدارس رشدیہ مڈل اسکولوں میں منتقل کئے گئے تھے اور ۱۳۲۹ف میں مڈل اسکولوں کی اینگلو ورنیکلر اور ورنیکلر تقسیم ترک کی گئی اور وہ صرف مڈل اسکول کہلانے لگے ۱۳۳۰ف میں تعلیم ثانوی کی ترتیب جدید جامعہ عثمانیہ کی ضروریات پورا کرنے کے لئے عمل میں لائی گئی۔ جدید نصاب منظور کیا گیا اور ہائی اسکولوں کی دو قسمیں قرار دی گئیں۔ یعنی انگریزی اور عثمانیہ ہائی اسکول۔ مدارس اول الذکر میں ہائی اسکول لیونگ سرٹیفکٹ امتحان کے لئے مدراس یونیورسٹی کا مجوزہ نصاب رائج ہے اور مدارس آخر الذکر میں طلبہ عثمانیہ یونیورسٹی کے امتحان میٹرکیولیشن کے لئے تیار کئے جاتے ہیں۔

ہائی اسکول ۱۳۲۱ف میں ۲۷ ہائی اسکول قائم تھے جن میں ۷،۴۶ طلبہ تعلیم پاتے تھے۔ ان میں سے ۱۱ مدارس لڑکوں کے اور ۶ مدارس لڑکیوں کے اور ۹ مدارس فوقانیہ اور ایک ورنیکلر اسکول تھا۔ ہائی اسکولوں میں تعلیم پانے والی لڑکیوں کی تعداد ۵۰۶ تھی۔ دہ سالہ زمانہ زیر تنقید میں سررشتہ تعلیمات کی محنت شاقہ اور عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کے باعث ہائی اسکولوں کے طلبہ کی تعداد میں اضافہ کثیر ہوا۔ اس طرح سنہ ۱۳۳۱ف میں ۳۱ ہائی اسکول (۲۰ انگریزی اور ۱۱ عثمانیہ) قائم تھے جن کے طلبہ کی مجموعی تعداد ۱۱۳۸۱ تھی ان انگریزی ہائی اسکولوں میں سے ۵ اسکول لڑکیوں کے تھے جن میں سنہ ۱۳۳۱ف کے آخر پر ۸۸۸ لڑکیاں تعلیم پاتی تھیں۔ ہائی اسکولوں میں سے ۵ نے طلبہ کو ہائی اسکول لیونگ سرٹیفکٹ کے امتحان کے لئے اور ۵ نے کیمبرج کے مقامی امتحان کے لئے تیار کیا۔ زمانہ زیر تنقید کے دوران میں بحساب اوسط

۱۱۳ سالانہ لڑکے اور ۴ لڑکیاں ہائی اسکول لیونگ سرٹیفکٹ کے امتحان میں کامیاب ہوئیں۔ جامعۂ عثمانیہ کا پہلا امتحان میٹریکیولیشن ۱۳۲۷ف میں لیا گیا اور اس سال اس امتحان میں ۹۲ طلبہ کامیاب ہوئے اس دہ سالہ زمانہ کے بقیہ چار سال میں ۳۴۹ لڑکوں اور ایک لڑکی نے عثمانیہ یونیورسٹی کے امتحان میٹرک میں کامیابی حاصل کی۔

مڈل اسکول | ۱۳۳۱ف میں بمقابلہ ۱۳۲۱ف کے ۶۳ کے مڈل اسکولوں کی تعداد ۱۰۵ تھی۔ مڈل اسکولوں کے طلبہ کی تعداد ۱۳۲۲ف کے ۱۰۳۷۸ سے ترقی کرکے ۱۳۳۱ف میں ۲۴۱۸۸ ہوگئی۔ دہ سالہ زمانۂ زیر تنقید میں بحساب اوسط سالانہ ۵۵۸ لڑکے اور ۱۹ لڑکیاں مڈل کے امتحان میں کامیاب ہوئیں۔

تعلیم ابتدائی | مدارس ابتدائی کی تعداد ۱۳۲۱ف کی ۹۳۶ سے ترقی کرکے ۱۳۳۱ف میں ۴۲۰۲ ہوگئی۔ اور ان کے طلبہ کی تعداد ۴۷۳۰۲ سے ۲۰۸۳۳۲ پر بڑھ گئی۔ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ زمانۂ زیر تنقید میں ابتدائی تعلیم نے نہایت تیز گامی کے ساتھ ترقی کی۔ اب فرمان خسروی مصدرۂ ۱۳۳۱ف کی بناء پر ممالک محروسہ میں ابتدائی تعلیم مفت کردی گئی ہے۔

تعلیم نسوان | نقشۂ ذیل سے صاف طور پر عیاں ہوگا کہ زمانۂ زیر تنقید میں تعلیم نسوان نے کیسی کچھ ترقی کی ہے۔

نوعیت مدارس	تعداد مدارس		تعداد طلبہ	
	۱۳۲۱ف	۱۳۳۱ف	۱۳۲۱ف	۱۳۳۱ف
مدارس خاص	×	۴	×	۵۴۳
ہائی اسکول	۶	۵	۶۸۵	۸۸۸
مڈل اسکول	۵	۱۴	۴۴۶	۱۷۷۵
مدارس ابتدائی	۷۹	۷۶۲	۴۶۵۵	۲۳۲۷۵
میزان	۹۰	۷۸۵	۵۷۸۶	۳۶۴۸۱

چنانچہ اس تختہ سے ظاہر ہے کہ مدارس نسوانیہ کی تعداد میں ۸ گنا اور طالبات کی تعداد میں ۲ گنا ترقی ہوئی ہے چونکہ تعلیم نسوان کی راہ میں تربیت یافتہ استانیوں کا فقدان بڑی حد تک حائل تھا۔ اس لئے دوران زمانہ زیر تنقید چار مدارس تعلیم المعلماۃ بمقام حیدرآباد۔ ورنگل۔ اورنگ آباد اور گلبرگہ قائم کئے گئے۔ بلدہ کا مدرسہ تعلیم المعلماۃ اُردو مدارس نسوان کے لئے اور ورنگل اورنگ آباد اور گلبرگہ کے مدارس تعلیم المعلماۃ علی الترتیب تلنگی۔ مرہٹی اور کنڑی مدارس نسوان کے لئے اُستانیاں تیار کر دینے کی غرض سے کھولے گئے ہیں ۱۳۳۱ف کی زیر تعلیم لڑکیوں میں سے ۹۱ فیصدی لڑکیاں مدارس ابتدائی میں تعلیم پا رہی تھیں اگرچہ آبادی میں ہنود کی تعداد غالب ہے لیکن تعلیم نسوان کے لحاظ سے سلمانوں کا نمبران سے بڑھ کر ہے ۱۳۳۱ف میں مدرسہ جانیوالی ہندو لڑکیوں کی تعداد بمقابلہ زیر تعلیم مسلمان لڑکیوں کے صرف ۷۵ فی صدی تھی۔ بہر کیف تختہ مندرجہ فٹ نوٹ صفحہ ۲۷ سے ظاہر ہوگا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں سے تعلیم نسواں کے مخالف خیال کا رفتہ رفتہ استیصال ہوتا جارہا ہے اور تربیت یافتہ استانیوں کی تعداد میں اضافہ ہونے کے ساتھ یہ لازمی امر ہے کہ تعلیم نسوان ابھی اور بھی ترقی کرے۔

عام بیان زمانہ زیر تنقید کے دوران میں چھ ٹریننگ اسکول قائم کئے گئے جن میں سے دو یعنی ورنگل اور اورنگ آباد کے اساتذہ کے لئے اور ۴ یعنی حیدرآباد۔ ورنگل۔ اورنگ آباد۔ اور گلبرگہ کی اُستانیوں کے لئے ہیں حیدرآباد انجینئرنگ اسکول کی بھی از سر نو تنظیم عمل میں لائی گئی۔ مدارس خاص کے مصارف کی مجموعی تعداد ۱۳۲۱ف کے ۱ لاکھ ۱۴ ہزار روپئے سے ترقی کرکے ۱۳۳۱ف میں ۱۰ لاکھ ۲۷ ہزار روپئے ہوگئی۔

سنہ ۱۳۳۰ف میں ٹریننگ کالج پٹنہ کے پرنسپل مسٹر جے۔ ایچ۔ تھکٹ آئی۔ ای۔ ایس کی خدمات تعلیم اساتذہ کی اسکیم کی تیاری کے لئے مستعار لی گئی تھیں۔ ان کی رپورٹ سرکار میں زیر غور ہے ۱۳۳۱ف میں ناظم تعلیمات کو تین مہینے کے لئے جاپان مادری زبان کے ذریعے تعلیم دینے کے مسئلہ کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی غرض سے بھیجا گیا۔

بہ دوران زمانہ زیر تنقید تمام ہائی اسکولوں میں کتب خانے قائم اور آلات سائنس مہیا کئے گئے اور عمارات مدارس کی تعمیر و ترمیم پر بحساب اوسط سالانہ ۱۱ لاکھ ۴۸ ہزار روپئے کی رقم صرف کی گئی۔

سرکاری ہائی اسکولوں کے متعلق ہاسٹل کھولے جانے کی اسکیم منظور کی گئی ۔ حیدرآباد کے سٹی کمپھ چادرگھاٹ ہائی اسکولوں اورنگ آباد کے عثمانیہ اور انگریزی مدارس اور ورنگل ۔ گلبرگہ اور بیدر کے سرکاری ہائی اسکولوں کے متعلق بورڈنگ ہاؤس قائم کئے گئے ۔ ایک ایک ہاسٹل مدرسہ تعلیم المعلمات اور حیدرآباد انجینرنگ اسکول کے متعلق بھی قایم کیا گیا ۔

مصارف سررشتہ گذشتہ دہ سالہ زمانہ میں مصارف سررشتۂ تعلیمات کا اوسط سالانہ [illegible] رہا ۔ مصارف کی تعداد سنہ ۱۳۲۱ف کے [illegible] سے ترقی کرکے سنہ ۱۳۳۱ف میں [illegible] ہوگئی ۔

متفرق معلومات

رقبہ ملک سرکار عالی ۸۲۶۹۸ مربع میل

کل مردم شماری ملک سرکار عالی سنہ ۱۹۲۱ء ۱،۲۴،۷۱،۷۷۰

شہر	۸۹	۲۱۳۱۲
دیہات قصبات	۲۱۲۸۳	

تعداد ذکور ۶۳۴۵۰۷۱

تعداد اناث ۶۱۲۶۶۹۹

تعداد طلبا قابل تعلیم ۹۵۱۷۶۰

تعداد طالبات ۹۱۹۰۰۵

تعداد طلبا بلحاظ قومیت فی کوانات جو زیر تعلیم ہے

مسلمان	۸۹۶۶۹
برہمن	۱۹۶۳۴
غیر برہمن	۱۴۰۳۳۱
عیسائی	۳۹۹۶
پارسی	۲۶۴
ارذل	۴۴۰۴

تعداد مدارس و طلباء و اخراجات وغیرہ رشتۂ تعلیمات بابتہ ۱۳۳۵ف

نمبر شمار	ابواب	طلباء یا طالبات	تعداد مدارس	تعداد طلباء	آمدنی			خرچ			کیفیت			
۱	کالج	طلباء	۴	۱۱۰۷	۲۰۹۴۶	۱۳	[illegible]	۵۳۶۴۴۴	۹	۱۰	※ متفرق آمدنی ۹۲۳۶۸ روپے — ⊗ متفرق			
		طالبات	۱	۱۳	۳۹۵	۰	۰	۴۴۷۵	۰	۰	جامعہ عثمانیہ	۲۱۳۱۶۶	۱۰	۲
۲	مدارس فوقانیہ	طلباء	۳۵	۱۳۹۷۸	۱۳۳۳۶۴	۰	۱	۹۰۱۸۶۲	۵	۱	صیغۂ تعلیمات	۱۲۷۲۳۹	۱۰	۱۰
		طالبات	۵	۱۰۵۱	۲۸۰۵۴	۴	۰	۱۵۲۹۷۶	۷	۴	صیغۂ نظارت	۲۹۴۶۵۸	۱۵	۰
۳	مدارس وسطانیہ	طلباء	۹۴	۲۲۶۳۴	۴۱۱۱۱	۱۱	۵	۸۰۹۶۱۲	۷	۹	وظائف تعلیمی	۵۳۰۲۴۷	۱۵	۴
		طالبات	۱۳	۱۵۵۷	۵۰۴۱	۱۰	۰	۵۶۸۴۶	۴	۳	تعمیر امکنہ	۲۲۵۸۱۸	۲	۱
۴	مدارس تحتانیہ	طلباء	۳۲۱۳	۱۸۱۴۹۱	۱۲۱۵۴	۱۴	۱۱	۱۷۲۶۶۶۰	۰	۱	ترمیم امکنہ	۵۰۷۳۵	۴	۱
		طالبات	۶۸۲	۳۱۷۹۱	۱۵۹۸۶	۷	۱۰	۴۲۴۴۴۷	۱۳	۱	فرنیچر	۴۳۱۷	۴	۹
۵	مدارس تربیتی (ٹریننگ اسکول)	طلباء	۳	۲۴۶	۰	۰	۰	۶۳۵۵۵	۶	۱۰	متفرق	۹۷۶۸۵۴	۱۳	۳
		طالبات	۴	۴۱۸	۸۲۹	۱۴	۶	۴۰۲۲۵	۱۰	۹	میزان	۲۲۶۵۱۳۶	۱۱	۶

۶	مدارس صنعت و حرفت	طلباء	۸	۱۰۸۷	۶	۶	۱۰	۱۰۸۷۵۹	۶	۴
		طالبات	۱	۱۷۳	۰	۰	۰	۱۲۷۱۶	۹	۶
۷	دیگر مدارس خاص	طلباء	۳۵	۱۷۷۹	۱۶ ۴۰	۵	۰	۸۰۸۰۴	۸	۶
		طالبات	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰
۸	میزان	طلباء	۳۳۹۲	۲۲۳۲۳۲	۲۱۹۹۰۰	۳	۷	۴۲۲۷۵۹۸	۱۲	۶
		طالبات	۷۰۶	۳۵۰۶۶	۵۰۳۰۷	۴	۴	۶۹۱۶۸۷	۱۲	۱۱
	صدر میزان		۵۳۵۳	۲۸۷۹۲۲	۲۶۶۹۰۷ ※	۷	۱۱	۴۹۱۹۲۸۶ ⊗	۹	۵

کل آمدنی سررشتہ تعلیمات	کل خرچ سررشتہ تعلیمات بشمول جامعہ عثمانیہ
آمدنی فیس ۲۶۶۹۰۷	
متفرق آمدنی ۹۲۳۶۸	۷۳۸۴۴۲۲
میزان ۱۱-۷-۳۵۹۲۷۵	

تاریخ دکن کی اہمیت اور اسکی شرکت نصاب کی ضرورت



مطالعہ تاریخ کے فوائد تمام علوم و فنون میں دو ہی مضامین ایسے ہیں جن کا مطالعہ ہر شخص کے لئے موجب دلچسپی ہے ایک ادبیات۔ دوسرا تاریخ۔ حیاتیات۔ عمرانیات۔ معاشیات سکونیات۔ علم الحرکت قانون۔ ہندسہ۔ طب۔ منطق۔ فلسفہ اور دوسرے بے شمار علوم کے ساتھ صرف معلمین متعلمین محققین و ماہرین کی دلچسپیاں وابستہ ہوتی ہیں۔ لیکن تاریخ کی کتابیں ہر زمرہ اور ہر طبقہ کے تعلیم یافتہ لوگوں میں بڑے ذوق و شوق کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ تاریخ تمام "علوم بشریہ" "Humanistic subject" کی جان ہے۔ مسٹر اڈرو ولسن کا قول ہے کہ تاریخ تمام "علوم بشریہ" کی اصل و ماخذ ہے۔ سیاسیات اقتصادیات۔ عمرانیات وغیرہ اسی پر مبنی اور اسی سے متفرع ہیں۔ تاریخ کی ہمہ گیر دلچسپی اور اس کی اساسی نوعیت سے قطع نظر یہ مضمون بے شمار فوائد سے لبریز ہے۔ تاریخ کا مطالعہ انسان کو وسیع النظر اور کشادہ خیال بناتا ہے تمام "علوم بشریہ" میں ادبیات کے بعد تاریخ ہی ایسا مضمون ہے جس سے ہماری معلومات میں بیحد وسعت و فراخی حاصل ہوتی ہے۔ انسان اسی وقت بالغ نظر کہا جاسکتا ہے جبکہ وہ اپنے طبعی ماحول کا علم رکھنے کے علاوہ اپنے گرد و پیش کے تمدنی و معاشرتی حالات سے بھی باخبر ہو۔ لیکن یہ امر محتاج بیان نہیں ہے کہ تاریخ ہی کے مطالعہ سے یہ غرض بوجہ احسن پوری ہوتی ہے۔ علاوہ بریں کسی ادارہ یا تحریک کو خواہ وہ سیاسی ہو یا معاشری۔ قومی ہو یا سماجی کماحقہٗ سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم ان تمام علل و اسباب سے واقف ہوں۔ جن کی بنا پر وہ معرض وجود میں آئی ہے و نیز اس ماحول و فضا سے بھی آگاہ ہوں جس میں اس کی نشو و نما ہوئی ہے۔ لیکن یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ تاریخ ہی اس قسم کی آگاہی و واقفیت کا سرچشمہ ہے۔ ہماری روزمرہ کی گفتگو اور ادبی کتابیں تاریخی اشارات و تلمیحات سے معمور ہوتی ہیں جن کا ایضاح و افہام ہماری تاریخ دانی پر موقوف ہے۔ بعض جغرافی مقامات کے ساتھ پُر اسرار تاریخی واقعات وابستہ ہوتے ہیں جب تاریخ ان واقعات مستورہ کو بے نقاب کرتی ہے تو یہ مقامات حیرت و استعجاب اور عبرت

و دلچسپی کا مرقع بن جاتے ہیں۔ تاریخ ہمیں دورِ حاضرہ کی تنگ محدود چار دیواری سے باہر نکال کر زمانۂ سلف کے اکابر رجال سے تعارف کراتی ہے جن کا نقشِ قدم ہمارے لئے شمعِ ہدایت کا کام دیتا ہے۔

توسیعِ معلومات کے ماسوا تاریخ ہماری ذہنی تربیت کا بھی ایک اہم ذریعہ ہے۔ تاریخ واقعات و مواد فراہم کرتی ہے جن پر غور وفکر کر کے ہم مفید مطلب نتائج اخذ کرتے ہیں۔ اس طرح ہمارے قوائے استدلال و استنباط اور تجزیہ و فیصلہ کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے ہمارا تخیل بھی پرورش پاتا ہے۔ کیونکہ تاریخ میں ایسے مناظر و واقعات کا استقصا ہوتا ہے جو ازمنہ ماضیہ سے تعلق رکھنے کے باعث ہماری نظر کے سامنے موجود نہیں ہوتے لہٰذا ان کے ادراک و تصور کے لئے ہمیں اپنے تخیل کو وسعت دینی پڑتی ہے۔ دنیا میں عہد بعہد جو تغیرات و انقلابات رونما ہوتے ہیں ان کے اسباب و نتائج کے باہمی تعلقات بھی ہم تاریخ ہی کی مدد سے دریافت کرتے ہیں۔

علاوہ بریں مطالعہ تاریخ سے بہتیرے اخلاقی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں چونکہ تاریخ تمام "علوم بشریہ" کا سرتاج ہے جس کا مبحث خود انسان اور اس کے کارنامے ہیں اس لئے تاریخ کے مطالعہ سے ہمیں فرضی و افسانوی رجال کے بجائے حقیقی انسان کے افعال و اعمال۔ خواہشات و رجحانات۔ مقاصد و عزائم جذبات و ارادہ سے واقفیت حاصل ہوتی ہے یہ واقفیت ہماری عملی زندگی کے لئے دلیل راہ بنتی ہے۔ تاریخ کی ورق گردانی ہمارے سامنے بیشمار مثالیں پیش کرتی ہے جن سے ہم یہ مفید سبق حاصل کرتے ہیں کہ نیکی کا صلہ نیک اور بدی کا انجام بد ہے۔ تاریخ ہمیں انصاف پسندی۔ حق پژوہی۔ راست بازی۔ رواداری۔ اولوالعزمی اور دوسروں کی جان و مال و ناموس کے احترام کا سبق دیتی ہے۔ اکثر "علوم بشریہ" بحث و مباحثہ پر مشتمل ہونے ہیں جہاں مصنفین بسا اوقات تعصب و پاسداری کا شکار بن جاتے ہیں لیکن ایک سچا مورخ صرف گذشتہ واقعات بے کم و کاست و بغیر کسی انعطاف من و عن بیان کر دیتا ہے اور فیصلہ سازی و رائے زنی قارئین پہ چھوڑ دیتا ہے۔ لہٰذا ہم تاریخ سے عدل و غیر جانبداری کا سبق حاصل کرتے ہیں۔ مطالعہ تاریخ کا عظیم ترین فائدہ یہ ہے کہ اس سے ہمارے جذبات وطنیت و قومیت کی تحریک ہوتی ہے۔ فدایان قوم و ملت کے کارنامے ہمیں ایثار و قربانی اور خدمتِ ملک و قوم کا قابل قدر درس دیتے ہیں تاریخ کے مطالعہ سے ہمارے دلوں میں

اکابر رجال و ابطال کے اعظام واحترام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ازمنہ ماضیہ کی واقفیت سے بالعموم سیاسی قابلیت بھی پیدا ہوتی ہے۔ تاریخ کے بامعان نظر مطالعہ سے مدبرین ملک ایسے مفید نتائج اخذ کرتے ہیں جن سے ان کو جدید اصلاحات کے نفاذ اور انتظام وانصرام مملکت میں بڑی مدد ملتی ہے۔ تاریخ کا مطالعہ ارباب حکومت زمانۂ سلف کے فرمانرواؤں کی ان غلطیوں کے اعادہ سے باز رکھتی ہے جو کبھی ملک وقوم کے لئے منتج بہ ہلاکت ثابت ہو چکی ہیں۔

ملکی تاریخ کی اہمیت یہ الفاظ مختصر یہ ہیں وہ عظیم الشان فوائد جو تاریخ کے مطالعہ سے مترتب ہوتے ہیں۔ لیکن یہ فوائد زیادہ تر اپنے ہی ملک کی تاریخ سے وابستہ ہوتے ہیں۔ حب الوطنی۔ غیرت قومی وخودداری کے جذبہ کی تکوین خصوصیت کے ساتھ اپنے ہی ملک کی تاریخ کی منت پذیر ہوتی ہے۔ تاہم توسیع معلومات کی غرض سے ممالک غیر کی تاریخ بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ لیکن ہر حال میں ملکی تاریخ کو غیر ملکی تاریخ پر ترجیح و تفوق حاصل ہے۔ ایک ہندی طالب علم چین۔ جاپان یا روس کی تاریخ سے لطف اندوز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ان ممالک سے اُسے کوئی سروکار نہیں ہے۔ غیر ملک کی تاریخ کبھی ویسی سبق آموز ونتیجہ خیز نہیں ہوسکتی جیسی اپنے ملک کی تاریخ۔ ملکی حالات وضروریات کے پیش نظر اپنے اسلاف کے کارنامے قابل تقلید ہوتے ہیں۔ شہیدان قوم وفدایان ملک کی مثال ہمارے جذبۂ ایثار وقربانی کی محرک ہوتی ہے جس پر قومی ترقی کا دارومدار ہے۔ الغرض بمصداق "اول خویش بعدہٗ درویش" ہر شخص کے لئے اپنے ملک کی تاریخ کا مطالعہ اولیٰ و افضل ہے۔ لیکن دنیا میں کتنے ملک اور کتنی قومیں ایسی ہیں جن کی تاریخ ہمیشہ کسی غیر ملک کی تاریخ کے تحت یا اُس کے ساتھ وابستہ رہی ہے۔ جن ممالک کو کبھی سیاسی آزادی وخودمختاری حاصل نہیں ہوئی ہے۔ جن قوموں نے استقلال ملیہ کی کبھی صورت نہیں دیکھی ہے جن ملکوں کے باشندے ہمیشہ کسی بالادست قوم کے تابع ومحکوم رہ گئے ہیں ان کی کوئی علحدہ تاریخ نہیں لکھی جاسکتی۔ زیردست اقوام کی تاریخ بالعموم بالادست قوموں کی تاریخ میں ضم ہوجاتی ہے۔

دکن کی سیاسی آزادی اب ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ اس اصول کے تحت ہمارے ملک دکن کی کیا حیثیت ومرتبہ ہے؟ آیا دکن کی تاریخ ہندوستان کی تاریخ کا محض ایک ضمنی جزو ہے جیسا کہ بعض مورخین کا خیال ہے

یا اس وسیع ملک کی علیحدہ و آزادانہ تاریخ مرتب ہو سکتی ہے؟ واضح رہے کہ دکن کا وسیع ملک نہ صرف جغرافیائی و سیاسی خصوصیات کے لحاظ سے بلکہ تہذیب و تمدن، رسم و رواج، عقائد و معاشرت کے اعتبار سے بھی ہندوستان خاص سے منقطع و بے تعلق رہا کیا ہے۔ بندھیاچل اور ست پورہ کی سر بفلک کشیدہ سنگی دیواریں، نربدا، تاپتی اور مہاندی کی تیز و تند دھاریں، گونڈوانہ کے ناقابل عبور جنگل۔ ان شش گانہ موانعات نے دکن اور شمالی ہند کے درمیان کبھی دیرپا رابطہ و اتحاد قائم ہونے نہیں دیا۔ شمالی ہند کا میدانی علاقہ بسا اوقات بیرونی حملہ آوروں کی تگ و تاز کی جولانگاہ بنا۔ لیکن بڑے سے بڑے غیر ملکی فاتح کی راہ میں بھی مذکورۂ بالا شش گانہ عوائق سد سکندری بنکر حائل رہے۔ دکن کے باشندوں کا سر نیاز کبھی عرصہ دراز تک کسی بیرونی قوت کے آگے خم نہیں رہا۔ دنیا میں شاید ہی کوئی ملک ایسا ہوگا جس پر بیرونی حملہ آوروں کے اکّے دکّے فوجی دھاوے نہ ہوئے ہوں۔ دکن کا ملک اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ یہاں اس قسم کی ہنگامی فوجی تاخت کا کوئی مستقل اثر نہیں پڑا۔ قدرت نے ابتدائے آفرینش ہی سے سرزمین دکن کی خمیر میں حریت و آزادی کا غالب عنصر شامل کر رکھا ہے۔ زمانہ قدیم میں صرف سمدر گپت برق و باد کی طرح آیا اور آناً فاناً واپس گیا۔ لیکن دکن کی سیاسی و معاشری حالت جوں کی توں قائم رہی۔ بعض مورخین کو راجہ اشوک کی عظمت و سطوت نے ایسا خیرہ کر دیا ہے کہ وہ بغیر کسی شہادت کے موریا حکومت کی سیادت کا جوا دکن کے عظیم الشان و غیور آندھرا فرمانرواؤں کے کندھوں پر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن نہ چندر گپت و بندوسار کے دربار کے یونانی سفراء مثلاً میگستھنیز ڈی ماکوس اور ڈائی انوسی اس کے بیانات سے اور نہ کسی دیگر معتبر وثائق سے راجہ اشوک یا اس کے پیشروؤں کا دکن پر استیلاء و تسلط حاصل کرنا ثابت ہے۔ اس کے برعکس کوئی مورخ اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ ستواہن راجہ سیموکا کے تیغ زن بازوؤں نے کنوا حکومت کے پرخچے اڑا دیے اور مگدھ کی راجدھانی پاٹلی پتر کے آسمان سے باتیں کرنے والے قصر و کاخ پر آندھرا پرچم نصب کیا جو بقول مسٹر ای۔ مارسڈن تین صدیوں تک بڑی آب و تاب کے ساتھ لہراتا رہا۔ مگدھ پر آندھروں کے اسی سہ صد سالہ تسلط نے دکن کی دیرینہ عظمت میں چار چاند لگا دیے۔ اس میں شک نہیں کہ

قرون وسطیٰ میں سلاطین دہلی کو ایک دو بار دکن پر غلبہ حاصل ہوا لیکن یہاں ان کا قبضہ و اقتدار نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا۔ پہلی بار علاالدین حسن گانگو نے پٹھانوں کے پنجہ سے اور دوسری بار چین قلیچ خاں نے مغلوں کی گرفت سے سرزمین دکن کو آزاد کیا۔ جن کا خاندان آج بھی سرزمین دکن کے ایک بڑے حصہ پر خود مختارانہ حیثیت سے حکمراں ہے اور حکومت ہند بھی جس کا احترام کرتی ہے۔

جغرافیائی مختصات | سیاسی آزادی و حریت قومی کے ماسوا دکن کی آب و ہوا اور جغرافیائی خصوصیات بھی ہندوستان خاص سے بالکل جداگانہ ہیں۔ سرزبوم کے اختلاف نے دونوں ملکوں کے باشندوں کے عادات و اطوار اور ذہنی و جسمانی کیفیت میں بھی بہت بڑا افتراق پیدا کر دیا ہے۔ شمالی ہند میں زمانۂ سرما کڑاکے کا جاڑا پڑتا ہے جس کے باعث وہاں لوگ دن چڑھے تک بوجھل لحافوں کے نیچے دبکے پڑے رہتے ہیں۔ اسی طرح گرما میں شدت کی گرمی پڑتی ہے۔ چوٹی کا پسینہ ایڑی تک پہنچتا ہے اور ہر شخص کی زبان پر وقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار کا کلمہ جاری رہتا ہے۔ برسات کا موسم طوفان نوح کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ ہر سال سیلاب طغیانی سے ہزاروں جان و مال کا اتلاف ہوتا ہے۔ الغرض شدید موسمی کے باعث وہاں انسان کو سخت محنت و مشقت کا کام کرنے میں مشکلات حائل ہیں۔ زمین کی زرخیزی و سیر حاصلی آرام طلبی اور عیش پسندی کا باعث ہے۔ برخلاف اس کے ملک دکن میں بجز اس چھوٹے سے قطعہ کے جو مغربی کوہستان میں واقع ہے کسی جگہ نہ تو سردی زیادہ ہوتی ہے اور نہ گرمی۔ یہاں کی آب و ہوا نہایت خوشگوار اور فرحت افزا۔ جس کے باعث دشوار سے دشوار ذہنی یا جسمانی کام کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہوتا۔ بارش یہاں بھی کافی ہوتی ہے لیکن قیامت خیز طغیانیوں کی ہلاکت باریوں سے دکن کی سطح مرتفع محفوظ و مصئون ہے یہاں کی زمین سنگلاخ ہے۔ یہاں ہزاروں ایکڑ زمین پرتی پڑی ہوئی ہے۔ ضروریات زندگی کی فراہمی کے لیے یہاں سخت جانفشانی کرنی پڑتی ہے۔ اس لیے دکن کے باشندے بالعموم جفاکش و محنتی ہوتے ہیں۔

مذہب و معاشرت علاوہ بریں ملکِ دکن کی تہذیب و معاشرت بھی شمالی ہند سے جدا گانہ رہی ہے۔ زمانۂ سلف میں جزیرہ نمائے ہند کی دراوڑی اقوام تہذیب و تمدن کے اعلیٰ زینہ تک پہنچ گئی تھیں۔ آریائی تمدن انہیں ایک نگاہ نہ بھاتا تھا۔ اس غیر جنس تمدن سے وہ ہمیشہ بیزار رہے اور اپنے تمدن کو برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ فی الحقیقت ان کا تمدن آریائی تمدن سے کسی طرح کم عیار نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب چھٹی صدی قبل مسیح میں ہندی آریہ جوق کے جوق بحیثیت نو آباد کار دکن میں وارد ہوئے تو یہاں کے متمدن دراوڑوں کو اپنی سماج میں جذب کرنے کی بجائے خود ہی ان میں ضم ہو گئے۔ الغرض شمالی ہند اور دکن کے قدیم باشندوں کی تمدنی مغائرت ایک امر مسلمہ ہے۔

اگر دونوں ملکوں میں کوئی رشتہ اتحاد قائم تھا تو وہ صرف مذہب کا تھا۔ ہندو مذہب کی اجنحہ کشائی نے سارے براعظم ہند کو اپنے پروبال کے نیچے ڈھانک لیا۔ لیکن یہ مذہب مختلف عقائد و توہمات کا ایک عجیب و غریب مجموعہ ہے۔ اس نے آریائی و غیر آریائی دونوں قسم کے عناصر سے ترکیب پائی ہے اس میں اوپانیشاد کی فلسفیانہ وحدت پرستی سے وحشی اقوام کی اوہام پرستی تک کے تمام مدارج شامل ہیں۔ اس لئے یہ مذہب صرف آریاؤں کی میراث نہیں کہا جا سکتا۔ اگرچہ ہندو مذہب نے سارے براعظم ہند کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔ لیکن وہ شمالی ہند اور دکن کے باشندوں کے توہمات۔ رسوم مذہبی اور طریقۂ پرستش کے اختلافات کو مٹا نہ سکا۔ اگر دونوں ممالک میں مذہب کی تفقیت فرض بھی کرلی جائے تاہم اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دکن کی تاریخ شمالی ہند کی تاریخ کے تابع یا ماتحت کردی جائے۔ اتحاد مذہب اتحادِ تاریخ کا موجب نہیں ہو سکتا۔ تمام براعظم یورپ دین عیسوی کا حلقہ بگوش ہے۔ لیکن وہاں ہر ملک و ہر قوم کی تاریخ جداگانہ ہے۔ اسی طرح سارے براعظم ہند پر ایک وسیع ہندو مذہب کے مسلط ہونے پر بھی دکن کی علیحدہ تاریخ لکھی جا سکتی ہے یہاں ایک قابل ذکر امر یہ بھی ہے کہ موجودہ ہندو دھرم کی تشکیل اور شیوی و وشنوی مسالک کا قیام زیادہ تر شنکراچاریہ۔ مادھواچاریہ۔ رامانج اچاریہ اور دوسرے سنیاسیوں کے جدت طراز دماغ۔ دقیقہ شناس طبیعت۔ اور انتھک کوششوں کا رہین منت ہے چونکہ یہ تمام مصلحین دکن ہی کی خاک پاک سے اُٹھے تھے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ مذہبی لحاظ سے

ہند خاص طور پر دلی سے اثر پذیر ہوا ہے۔ (باقی آئندہ)

فرانسیسی مدارسِ تحتانیہ کی ایک جھلک

ملک فرانس میں ابتدائی تعلیم چھ برس کی عمر سے تیرہ برس کی عمر تک اُناث اور ذکور دونوں پر لازمی ہے۔ جنگ کے بعد تو یہ بھی کوشش ہوئی کہ بجائے تیرہ کے چودہ برس تک تعلیم لازم رہے لیکن سرکار سے اسکی منظوری نہ ہوئی۔ تاہم اسکے لئے جدوجہد جاری ہے۔ حکومت صرف قانون تعلیم نافذ کرکے خاموش نہیں ہوگئی ہے۔ وہ ہر وقت اس اُدھیڑبُن میں لگی رہتی ہے کہ تعلیم کے بابت جو قوانین نافذ ہیں وہ کس حد تک درست ہیں اور ان کی کس حد تک پابندی کی جاتی ہے۔

حاضری حکومت طلبہ کی حاضری سب سے اہم تصور کرتی ہے۔ چنانچہ جب کبھی کوئی طالب علم مدرسہ سے غیر حاضر ہو جاتا ہے تو اس کے ولی یا سرپرست کا فرض ہوتا ہے کہ وہ محکمہ متعلقہ کو وجوہ غیر حاضری سے فوراً مطلع کرے۔ طالب علم کی علالت کی صورت میں ایک تربیت یافتہ دائی اس کے حالات کی دریافت کرتی ہے اور اگر مرض متعدی ہو تو مریض کو علحدہ رکھنے کا انتظام کر دیا جاتا ہے۔ صحت اور علاج کا اس قدر خیال کیا جاتا ہے کہ بہت سے مدارس میں علاج معالجہ کی امداد باہمی کی انجمنیں قائم ہیں جس کے اراکین طلبہ ہوتے ہیں۔ اور بوقت علالت انجمن کے سرمایہ کی بدولت بہترین علاج کرا سکتے ہیں یا ایسے طلبہ کی مدد کرتے ہیں جو غربت و افلاس کے باعث اپنا آپ علاج کرانے سے قاصر ہیں۔

ہر شہر و قصبہ میں ایک تعلیمی کمیٹی ہوتی ہے جس کے منجملہ اور فرائض کے ایک فرض یہ بھی ہوتا ہے کہ طلبہ کی عمدہ اوسط حاضری قائم رکھے۔ چنانچہ طلبہ کو حاضر باش بنانے کی خاطر کمیٹی حاضر باش لڑکوں کو نقد انعام دیتی ہے جو سیونگ بنک میں جمع کرا دیا جاتا ہے۔ انعام کی مقدار حاضری اور

تعلیمی حالت پر منحصر رہتی ہے۔ حاضر باش بنانیکا یہ طریقہ یورپ کے کسی اور ملک میں رائج نہیں ہے۔

صفائی مدارس میں حفظان صحت کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہے۔ ہر درجہ میں ذاتی صفائی اور اصول صحت پر سبق دیا جاتا ہے۔ نصاب مقررہ میں حفظان صحت کو کافی جگہ دیدی گئی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ محسوس کیا جاتا ہے کہ صاف ستھرے عادات کی حقیقی تعلیم گھر ہی پر ہو سکتی ہے اور ہونی چاہیئے۔ اس امر کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعض کمیٹیوں نے چند قواعد بنا کر نافذ کر دیے ہیں جن کی پابندی نہ صرف مدرس بلکہ ولی اور سرپرست پر بھی لازمی ہے۔ مثلاً ایک قاعدہ یہ ہے کہ "ہر لڑکے کو مدرسہ میں صاف ستھری حالت میں آنا چاہیئے۔ درجہ میں داخل ہونے سے پہلے مدرس ہر لڑکے کی جانچ کریگا جو لڑکا صاف ستھرا نہ ہوگا اس کو اس کے گھر واپس کر دیا جائیگا۔"

ممانعت سزا ایک دوسرا دلچسپ قاعدہ یہ رائج ہے کہ فرانس کے کسی مدرسہ میں بھی سزائے جسمانی کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن اس کی تلافی اس قاعدہ سے کی گئی ہے کہ ہر ولی یا سرپرست پر لازم ہے کہ وہ مدرس کی ہر طرح مدد و اعانت کرے تاکہ روزمرہ کا کام بخوبی انجام پاسکے اور ڈسپلن قائم رہے۔ ہر ولی یا سرپرست پر لازم ہے کہ وہ مدرس کی طلبی پر مدرسہ میں حاضر ہو کر اپنے لڑکے کی دماغی اور جسمانی تعلیم کے بابت ہدایات حاصل کرے۔ ہمارے ملک میں اس قاعدہ کی جیسی کچھ بھی ضرورت ہے اس کا احساس اس قدر ہے کہ زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی ہے۔

اوقات تعلیم ہر شہر و قصبہ میں اوقات تعلیم و ایام تعطیل مختلف ہوتے ہیں۔ پیرس دارالحکومت فرانس میں ابتدائی مدارس صبح آٹھ بجے سے گیارہ بجے تک اور دوپہر میں ایک بجے سے چار بجے تک کھلے رہتے ہیں۔ جمعرات کو پورے دن کی تعطیل ہوتی ہے۔ حکومت لامذہب ہے اس لئے اتوار فرانس میں مذہبی حیثیت نہیں رکھتا۔

مقامی تعطیلات کے علاوہ موسم گرما میں دو ماہ سے ذرا زیادہ عرصہ کی طویل تعطیل ہوتی ہے۔ اس قدر طوالت محض اس لئے جائز رکھی جاتی ہے کہ طلبہ فصل کاٹنے میں اپنے والدین و سرپرستوں کی مدد کر سکیں۔ گو طویل تعطیل گرما میں مدارس بند رہتے ہیں لیکن ہمارے ملک کے مدرسوں کی طرح

فرائض کے مدرسین بیکار نہیں رہتے۔ وہ اس زمانہ میں لڑکوں کی پارٹیاں بناکر سیر مقامات کراتے رہتے ہیں۔

عمارت مدرسہ ہر مدرسہ کی عمارت مقامی حالت و تعداد طلبہ کے لحاظ سے بنائی جاتی ہے لیکن ان تمام عمارتوں میں ایک خصوصیت یہ ضرور ہوتی ہے کہ سب کی سب روشن۔ ہوادار مگر سادہ ہوتی ہیں۔ احاطہ عمارت میں خوبصورت اور سایہ دار درخت نہایت سلیقہ سے لگائے جاتے ہیں درختوں کا وجود نہ صرف آنکھوں کو طراوت دیتا اور طلبہ کو دھوپ سے بچاتا ہے بلکہ عمارت مدرسہ کی سادگی کی عیب پوشی بھی کرتا ہے۔ ان عمارتوں میں اگر کوئی دوسری خصوصیت ہے تو وہ یہی کہ ہر درجہ میں ایک ایسا تختۂ سیاہ ہوتا ہے جس کے تین حصے ہوتے ہیں۔ ایک حصہ جو درمیانی ہوتا ہے دیوار پر جما رہتا ہے باقی کے دو حصے اس کے بازو میں لٹکے رہتے ہیں۔ ان کو جس طرف جی چاہے پھیرا جا سکتا ہے اور ان کے دونوں طرف لکھا جا سکتا ہے۔ تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ اس قسم کے تختۂ سیاہ بہت مفید و کارآمد ہوتے ہیں۔

نصاب تعلیم ابتدائی تعلیم کے اختتام پر اسکول سرٹیفکیٹ کا امتحان ہوتا ہے۔ یہ سرکاری امتحان ہے جس میں ہر طالب علم کی شرکت ضروری ہے۔ بصورت کامیابی ہمارے ہاں کے امتحان تحتانیہ کی سی سند دیجاتی ہے جس کی دہقانوں میں بڑی قدر و منزلت ہوتی ہے۔

ابتدائی مدرسہ میں تین طبقے ہوتے ہیں۔ ادنیٰ۔ متوسط اور اعلیٰ۔ نصاب سب مدرسوں میں ایک سا ہی ہے۔ صرف مدارس ابتدائی پیرس میں ہر طالب علم کی ایک رپورٹ شیٹ رکھی جاتی ہے۔ ہر مہینہ ہر طالب علم کی رپورٹ مدرس متعلقہ تیار کرتا ہے جس پر صدر مدرس اور ولی یا سرپرست کے دستخط لئے جاتے ہیں۔ ہر مضمون ہوم ورک۔ محنت۔ عام برتاؤ وغیرہ کے نمبر دیئے جاتے ہیں۔ ہوم ورک ہر مدرسہ میں لازمی طور پر کرایا جاتا ہے۔ اصول معاشرت اخلاقیات۔ نوشت و خواند۔ حساب اور وطن کے متعلق عام معلومات پر بطور خاص زور دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ایسا مدرسہ نہیں ہے جہاں ابتدائی باغبانی اور ایک نہ ایک دستکاری

یہ سکھائی جاتی ہو۔

تبصرہ

سلسلۂ مطبوعات کتب خانہ مسجد چوک | غالباً مسجد چوک حیدرآباد دکن بحالت موجودہ پہلی مسجد ہے جہاں ایک کتب خانہ بھی ہے۔ اس کے ساتھ ہی عام کتب خانوں کے برخلاف اس کے کتب خانہ میں محض کتب کا ذخیرہ ہی نہیں رہتا بلکہ اس کے منتظمین تصنیف و تالیف سے اپنے کتب خانہ کی کتابوں کی تعداد اور نیز ادب اُردو میں بیش قیمت اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ اس وقت ہمارے پاس سلسلہ مطبوعات کتب خانہ مسجد چوک کے دو نمبر ۲ و ۵ زیر تبصرہ ہیں۔ یہ دونوں مولوی محمد سردار علی صاحب کے مولفہ ہیں۔ ان کی ظاہری شکل وصورت باوجود مسجد چوک کی سی خوبصورت عمارت کے ناقص عکس کے دیدہ زیب ہے۔ چونکہ یہ دونوں کتابیں ایک ہی سلسلہ کی ہیں۔ اس لیے ہمیں خیال ہوا تھا کہ ان کے دیباچوں میں کم سے کم اس بات کا پتہ چل جائیگا کہ اس سلسلہ کی غرض و غایت کیا ہے؟ ہم توقع کرتے ہیں کہ آئندہ اس خامی کو دور کرکے کتب خانہ مسجد چوک کے ہر سلسلہ مطبوعات کا ایک نصب العین و معیار مقرر کردیا جائیگا تاکہ ان میں باقاعدگی پیدا ہو۔ اور وہ مغرب کے سلسلہ مطبوعات سے ہمسری کرنے لگیں۔ ہم مولوی محمد سردار علی صاحب کی محنت و جستجو کی داد دیتے ہیں کہ انھوں نے یوروپین شعرائے اردو کا کلام جمع کرکے شایع فرمادیا اور یہ ثابت کردکھایا کہ اہل یورپ اس دورافتادہ زبان سے ناواقف و ناآشنا ہی نہیں ہیں بلکہ اس سے ایسی گہری دلچسپی رکھتے ہیں کہ اس کی مثال اُردو داں اشخاص میں کم ملیگی۔ صاحب ممدوح نے یہ جو کچھ کیا بہت اچھا کیا لیکن یہ نمبر ہماری توقعات پوری نہیں کرتا۔ ہم کو حقیقتاً جیسی کتب کی ضرورت ہے اسکی ایک مثال خود صاحب ممدوح ہی کی مولفہ کتاب شعرائے اورنگ آباد ہے جو اسی سلسلہ میں

شایع ہوئی ہے۔

صاحب ممدوح اس کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں "اورنگ آباد دکن .... چاہیئے تھا کہ ان شعرائے اورنگ آباد کے حالات یکجا قلمبند کئے جاتے اور ان کا ایک مستقل تذکرہ لکھا جاتا لیکن ابتک شعرائے اورنگ آباد کا کوئی خاص تذکرہ نہیں لکھا گیا"۔

اگر آخر کی سطروں میں اورنگ آباد کی بجائے ممالک محروسہ سرکار عالی کردیا جائے تو ہمکو یقین ہے کہ ایک قابلِ قدر سلسلہ مرتب ہو جائیگا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ شعرائے اردو ہی تک محدود رکھا جائے۔ زیادہ اچھا تو یہ ہوگا کہ ممالک محروسہ سے ان شاعروں کے کلام کو بھی جو ملکی زبانوں میں ہے اُردو کا جامہ پہنا کر شایع کر دیا جائے۔

یہ دونوں نمبر کتب انعامی میں شریک کئے جاسکتے ہیں اور مدارس کے کتب خانوں کے لئے مفید ہیں۔

یوروپین شعرائے اردو حجم ۲۸ صفحہ قیمت ۸ر۔ شعرائے اورنگ آباد۔ حجم ۴۰ صفحہ قیمت ۲ر۔

ملنے کا پتہ: کتب خانہ مسجد چوک۔ حیدرآباد دکن

علم الصحت عام طور پر ہندوستانیوں کی صحت ایسی خراب ہوتی چلی جاتی ہے کہ حفظان صحت کے بابت جس قدر بھی کتابیں عام فہم پیرایہ میں لکھی جائیں کم ہیں۔ اس کتاب کے مؤلف جناب مولوی عبدالجلیل صاحب پروفیسر کوئنس کالج بنارس اور ڈاکٹر بی پی داس گپتا صاحب ہیں۔ عالم اور طبیب جب مل جل کر علم الصحت پر جو بھی کتاب لکھینگے وہ خالی از فائدہ نہ ہوگی۔ ہر مدرسہ کے کتب خانہ میں یہ کتاب رہنی چاہیئے۔ یہ کتاب ٹائپ میں چھوٹی تقطیع پر چھپی ہے۔ حجم ۱۲۴ صفحہ ہے قیمت صرف ۱۰ آنہ۔

ملنے کا پتہ: سعید برادرس پرنا کاپل بنارس چھاونی

اسکاؤٹنگ کھیلیں | تحریک ہائے اسکاوٹ کو ممالک محروسہ میں اس قدر اہمیت دیجارہی ہے کہ سرکار نے اس کی اشاعت کے لئے ایک ڈائرکٹر معہ عملہ مقرر فرمایا ہے خوشی کی بات ہے کہ اسکاوٹنگ کے فروغ کے لئے اردو میں بھی کتابیں طبع ہونے لگی ہیں۔ ہمارے ڈرل ماسٹر جو عام طور پر اُردو داں ہوتے ہیں اسکاؤٹنگ کھیلیں مولفہ چودھری عزیز بخش صاحب کو مفید پائینگے۔ ہماری سمجھ میں نہ آیا کہ کھیل کی جمع کھیلیں کس طرح ہوگئی۔ امید کہ آئندہ اڈیشن میں اس کی اصلاح کرلیجائیگی۔ کتاب باتصویر ہے۔ اچھی چھپی ہے۔ حجم ۲۰۰ صفحہ ہے۔ قیمت ایک روپیہ ہے۔

ملنے کا پتہ:۔ **اخبار تعلیم۔ انارکلی لاہور**

میلاد النبی | اس نام کی بیسیوں کتابیں تالیف ہوئی ہیں، جن میں سے ایک کے مؤلف" جناب شمس العلماء مولوی حافظ سید محب الحق صاحب رئیس پٹنہ عظیم آباد وظیفہ یاب (تالیفی) سرکارِ عالی نظام خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ" بھی ہیں۔

شروع ہی میں چھ سطروں میں بمصداق "عطار گوید" تالیف کی تعریف ہے۔ نہ معلوم اس کی خود مولف ہی نے کیوں ضرورت محسوس کی

مؤلف نے" مسلمانی در گور" کا ادعا کرتے ہوئے لکھا ہے کہ" مجلس میلاد یہ نہیں کہ صرف آپ کی ولادت کا حال پڑھ دیا جائے۔ اور غیر معتبر روایتیں سُنادی جائیں اور کچھ اشعار گادئے جائیں" " بلکہ آپ کے اوصاف وفضائل سے واقف ہوں" یہ خیالات قابل قدر ہیں مگر خود اس کتاب میں مسجع ومقفع عبارت سے بہت کام لیا گیا ہے جا بجا طویل عاشقانہ نظمیں درج ہیں صحف ماسبق کی پیشین گوئیوں پر ½ ۸ صفحات وقف ہیں۔ اوصاف وشمائل کے متعلق نہایت درجہ اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

کتاب کا حجم ۹۲ صفحہ ہے۔ لکھائی چھپائی متوسط ہے۔ قیمت فی جلد ایک روپیہ ہے۔

تذکرۂ بابر | مولانا مولوی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی المخاطب نواب صدر یار جنگ بہادر صدر الصدور امور مذہبی ریاست حیدرآباد امارت و علمیت کے حامل ہیں، سیاح و شاعر ہیں اور خطیب و مؤلف بھی ہیں آپ متعدد قابل قدر تالیفات کے مؤلف ہیں۔

آج سے (۳۷) سال پہلے مشہور و ممتاز رسالہ حسن حیدرآباد میں "تذکرہ بابری" چار قسطوں میں شائع ہوا تھا۔ اور ایسا مقبول ہوا تھا کہ نوجوانی میں ہی مولف "ایک اشرفی" انعام کے مستحق ٹھیرے۔

تاریخ کا مضمون بلحاظ بیان خشک و دلچسپ اور حسرت انگیز و مسرت آمیز ہوسکتا ہے مگر مؤلف نے اپنے دلکش طرز بیان اور منتخب واقعات سے اس کتاب کو دل پذیر بنا دیا ہے۔ نصابی تاریخوں کی طرح یہ کتاب شکار حکمت عملی نہیں ہوئی۔

کتاب متوسط تقطیع کی ہے۔ حجم ۶۴ صفحہ ہے۔ قیمت نہایت کم یعنی صرف ۲ر ہے۔ کتب خانہ مسجد چوک حیدرآباد دکن سے مل سکتی ہے۔

حیاتِ کیفی | ناشرات کتب خانہ بزم ادب مسجد چوک حیدرآباد نے "حضرت ابو رضا سید رضی الدین حسن صاحب کیفی حیدرآبادی کے حالات زندگی شائع کئے ہیں۔ کیفی صاحب حیدرآباد کے ایک مشہور شاعر تھے حالی مرحوم کی طرح ان کی شاعری بھی عاشقانہ رنگ سے نکل کر قومی اور تعلیمی رنگ میں رنگ گئی تھی۔ کتاب کے مرتب کنندہ محمد سردار علی صاحب ہیں، اس کے ٹائٹل، تمہید، تعارف کو علحدہ کر دینے کے بعد اصل حیات کے لئے صرف ۱۲ صفحہ رہ جاتے ہیں، جو ناکافی و نامکمل ہیں۔

کتاب کی لکھائی چھپائی متوسط ہے۔ قیمت صرف ۲ر ہے۔

شذرات

راجہ صاحب پناگال نے اعلان کیا ہے کہ وہ آندھرا یونیورسٹی کو اتنی جائداد بطور عطیہ دینگے کہ اس کی سالانہ آمدنی پانچ ہزار روپیہ ہو۔ اور تا انتظام جائداد پانچ ہزار روپیہ سالانہ کا چندہ دیا جایا کریگا۔

بمبئی میں ایک پارسی خاتون بیرسٹر ہوکر آئی تھیں لیکن حال ہی میں ایک ہندو خاتون مس آجگوانکر نہ صرف بیرسٹر بلکہ آکسفورڈ یونیورسٹی سے ڈاکٹری کی سند بھی حاصل کرکے آئی ہیں اعلیٰ تعلیم میں کسی کو کیا کلام ہو سکتا ہے۔ لیکن ہندوستان کو ایسی خواتین کی زیادہ ضرورت ہے جو حفظانِ صحت۔ ڈاکٹری۔ خانہ داری جیسے فنون میں ماہر ہوں۔

پونا کے مشہور سیوا سدن ین اس کے بانی مسٹر دیودھار نے دائیوں کی تربیت کا نہایت معقول انتظام کرنے کا تصفیہ کرلیا ہے۔ چنانچہ ان کی رہائش اور تعلیم کے لئے جدید عمارتیں پر ہونے والی ہیں۔

بعض کا خیال ہے کہ سیوا سدن محض ہندو بیواؤں کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ لیکن یہ درست نہیں ہے۔ مسٹر دیودھار ایک آزاد خیال آدمی ہیں اور اُن کا عین مدعا ہے کہ ہر مذہب وملت کی مصیبت زدہ عورتیں سیوا سدن میں شریک ہوکر شریفانہ طریقہ پر اپنا پیٹ بھرنے کے قابل ہوجائیں۔

وشوا بھارتی کے ایک پروفیسر جو اجمافہ معلومات کے لئے بلدہ حیدرآباد آئے ہوئے تھے بیان کرتے تھے کہ بادشاہ مصر نے یونیورسٹی کو عربی کتابوں کا نادر مجموعہ عنایت فرمایا۔ علم پرستی کی ایسی مثالیں کم نظر آتی ہیں۔

اعلحضرت بندگانعالی نے بکمال مراحم خسروانہ ہندوستان کے مشہور شاعر ڈاکٹر ٹگور کی یونیورسٹی وشوا بھارتی کو ایک لاکھ روپیہ گرانقدر عطیہ تعلیمات اسلامی کے لئے عطا فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس عزت افزائی کا مودبانہ شکریہ ادا کرنے کی عزت حاصل کی۔

صوبہ بمبئی کے ناظم تعلیمات نے دھاڑوار کالج کو جہاں کنٹری کی تعلیم ہوتی تھی کمی طلبہ کے باعث مسدود کر دیا۔ اس کے خلاف جو احتجاج کیا گیا اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اسی سمت کے مہتمم تعلیمات مجبوراً بنظر کفایت شعاری اہلکاران و ملازمین ادنیٰ کو خدمت سے علیحدگی کی نوٹس دیدی ہے۔ گو بیان کیا جاتا ہے کہ اس حکم کے بموجب ایسے لوگ بھی قبل از وقت علیحدہ ہو جائینگے۔ جن کی مدت ملازمت سات سال سے لے کر اٹھائیس سال ہے۔

انگلستان میں دو سو برس کے بعد ۲۹ جون کو مکمل سورج گرہن ہوا۔ اس کے دیکھنے کے لئے ہزاروں اور لاکھوں آدمی ان مقامات پر جمع ہوئے تھے جہاں سے پورا سورج گرہن آسانی دکھائی دینے کی توقع تھی۔ تماشائیوں کے علاوہ بڑے بڑے سائنس داں سورج گرہن کی تصاویر لینے کی فکر میں تھے لیکن ابر کے آجانے سے بہت سے ناامید ہوئے۔

کم لوگ جانتے ہیں کہ چاند گرہن اس وقت ہوتا ہے جبکہ چاند کم و بیش زمین کے سایہ سے ڈھک جاتا ہے۔ زمین بمقابلہ چاند کے زیادہ جسیم ہے اس لئے چاند زمین کے سایہ سے گھنٹوں چھپ سکتا ہے

نقل مراسلہ صدر نظامت تعلیمات ملک سرکار عالی

واقع ۵ / اردی بہشت ۱۳۳۶ ف

نشان ...

مقدمہ ۸

منجانب نواب ... جنگ بہادر ناظم تعلیمات ملک سرکار عالی — سررشتہ نصاب تاریخ دکن مؤلفہ مولوی سید ہاشمی صاحب رکن دار الترجمہ سرکار عالی

بخدمت صدر مہتمم صاحبان تعلیمات اضلاع و بلدہ مہتمم صاحبہ مدارس نسواں پرنسپل صاحبان ٹریننگ کالج بلدہ سٹی کالج ہیڈ اسکول بلدہ انٹرمیڈیٹ کالج اورنگ آباد جاگیردار کالج بیگم پیٹھ پرنسپل صاحبہ زنانہ کالج نامپلی محبوبیہ گرلز اسکول حیدرآباد و صدر صاحب مدرسہ دار الضرب سرکار عالی۔

بمقدمہ مندرجہ عنوان نگارش ہے کہ تاریخ مولفہ مولوی سید ہاشمی صاحب رکن دار الترجمہ سرکار عالی کو جماعت چہارم تحتانیہ (فورتھ اسٹنڈرڈ) اور فارم اول (فسٹ فارم) طبقہ وسطانیہ مدارس سرکار عالی میں امرداد ۱۳۳۶ ف سے پانچ سال تک شریک نصاب کرنے کی منظوری ذریعہ مراسلہ محکمہ سر رشتہ تعلیم نشان ۴۲ مورخہ ۱۴ آذر ۱۳۳۶ ف صادر ہوئی ہے پس ان جماعتوں میں اس وقت جو تاریخیں پڑھائی جاتی ہیں وہ امرداد ۱۳۳۶ ف سے موقوف فرمائی جائیں اور اوائل سال تعلیمی ۱۳۳۶ ف سے تاریخ مذکور کی پڑھائی کا بندوبست فرمایا جائے۔ یہ تاریخ ماہ خورداد ۱۳۳۶ ف تک طبع ہو جائیگی اور حیدرآباد کے کل کتب فروشوں سے مل سکتی ہے

مثنیٰ ہذا اطلاعاً بخدمت مولوی سید ہاشمی صاحب رکن دار الترجمہ سرکار عالی مرسل ہے۔

حسب مسودہ دستخطی نواب ناظم صاحب بہادر

شرح دستخط
مددگار ناظم تعلیمات

جلد چہارم نمبر ۱ و ۲

المعلم

مہر و آبان سنہ ۱۳۳۶ ف

مُدیر .... محمدؐ سجّاد مرزا۔ ایم۔ اے (کنٹب)

اعظم اسٹیم پریس چارمینار
حیدرآباد دکن

بچّوں کا قاعدہ

مرتبہ سجّاد مرزا۔ ایم۔ اے (کنٹاب) صدر مہتمم تعلیمات صوبۂ گلبرگہ

(داخل نصاب سررشتۂ تعلیمات صوبہ متوسط و برار)

(اقتباس از نیک آرا)

ڈاکٹر سر محمد اقبال اقبال | جہانتک میں اندازہ کر سکا ہوں۔ آپکا قاعدہ صحیح علمی اصول پر مبنی ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ کا مجوزہ طریق بچوں کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگا۔ میں بھی اپنے بچہ پر اس کا تجربہ کرونگا۔

مولوی سید علی اکبر صاحب بی۔ اے (کنٹب) صدر مہتمم تعلیمات بلدہ | آپ کا قاعدہ دیدہ زیب ہے اور چھوٹے لڑکے لڑکیوں کا دل لبھاتا ہے۔ میرا لڑکا جس کی عمر تقریباً پانچ برس کی ہے آپ ہی کا قاعدہ پڑھ رہا ہے اور اس قاعدہ کو اس قدر پسند کرتا ہے کہ اس کے خراب ہونے کے ڈر سے دوسروں کو چھونے تک نہیں دیتا۔ اگر مدرسین آپ کی ہدایت کے مطابق احتیاط سے عمل کریں تو بیشک آپکا قاعدہ جماعت صغیرہ کے لئے بہت مفید ہوگا۔

مسز انگلر صاحبہ صدر مہتممہ مدارس نسوان حیدرآباد دکن | میں نے از خود آپ کا قاعدہ خرید لیا اور میرا ارادہ ہے کہ اس کو اپنے تمام مدارس میں رائج کردوں۔

مولوی فیروز الدین صاحب مراد پروفیسر یونیورسٹی علیگڈھ | آپ کا قاعدہ بہت عمدہ اور عجیب ہے۔ افتتاح یونیورسٹی پر میں اس کو یہاں کے مدرسہ میں رائج کرانے کی کوشش کرونگا۔

یہ قاعدہ جو اپنی آپ نظیر ہے اور صوبہ متوسط و برار میں داخل نصاب ہو چکا ہے ہمارے ڈپو سے بہ قیمت ۸ے فی نسخہ مل سکتا ہے۔ مدارس و تاجران کتب کو مناسب کمیشن دیا جاتا ہے۔ ہمارے بک ڈپو میں نہایت عمدہ انگریزی کتب بچوں کی دلچسپی کے تعلیمی کھیل اور اسٹیشنری کا سامان عمدہ و ارزاں موجود ہے سنہ ۱۹۲۷ء کے عجیب و غریب کیلنڈر و دلکش و دلگداز تصاویر و پوسٹ کارڈ کا بہترین ذخیرہ ہے۔

دی حیدرآباد بک ڈپو چادرگھاٹ حیدرآباد دکن

جلد چہارم
نمبر ۲ و ۳

المعلم

مہر و آبان ۱۳۳۶ ف

مُدیر .... محمد سجاد مرزا - ایم - اے (کنٹب)

اعظم اسٹیم پریس چارمینار
حیدرآباد دکن

قواعد

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جس میں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین طبع ہونگے۔ سیاسی یا مذہبی مضامین شریک نہ کئے جائینگے۔

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوگا

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۲۵ تاریخ تک صاحبان بحوالہ نمبر خریداری مطلع فرمائیں

(۴) جو مضامین ناقابلِ طبع متصور ہونگے اُن کی واپسی خرچۂ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی۔

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (ہے ۸ ر) مع محصول ڈاک ہے جو پیشگی لی جائیگی۔

(۶) نمونہ کا پرچہ چھ آنے کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال کیا جائیگا۔

(۷) جواب طلب امور کیلئے جوابی کارڈ وصول ہونا چاہیئے ورنہ ادائی جواب میں مجبوری رہیگی۔

(۸) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے۔ رقم وصول ہونے پر اشتہارات طبع کئے جائینگے۔

تعداد مدت	صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک بار	عہ	صر ۸ ر	ے ۸ ر
سہ بار	ﷲ ۸ ر	للعہ	ک ۸ ر
ششماہ	للعہ	ﷲ ۸ ر	صعہ
سالانہ	صعہ	للعہ	ﷲ ۸ ر

(۹) جملہ مراسلت و ترسیل رقوم منی آرڈر وغیرہ پتہ ذیل پر ہونی چاہیئے

دفتر رسالہ المعلم بلگرامی ہوز سانچہ توپ

حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست رہبات المعلم

جلد چہارم	بابتہ ماہ مہر و آبان سنہ ۱۳۳۶ف	نمبر ۲ و ۳

مدارس بیدر وغیرہ کو
عالیجناب یمین السلطنۃ مہاراجہ سرکشن پرشاد صدر اعظم بہادر کے
معائنہ کا شرف

تقریباً ایک ہفتہ سے فضائے بیدر میں عالیجناب صدر اعظم بہادر کے آمد آمد کی مبارک صدائیں آ رہی تھیں۔ اگرچہ تفصیلی نظام العمل کی اشاعت کی نوبت بھی نہیں آئی تھی۔ لیکن چونکہ

عالیجناب مہاراجہ بہادر کا مطمح نظر ہمیشہ مدارس ومکاتب وامور تعلیمی کی جانب مبذول رہا ہے اور آپ ہمیشہ بکمال دور اندیشی و دوربینی معائنہ مدارس اپنے دورہ کے پروگرام کا جز لاینفک قرار فرماتے رہے۔ لہذا یہ بدیہی امر تھا کہ جناب ممدوح الصدر مدارس بیدر کو اپنی میمنت فروزی سے ضرور مفتخر فرمائینگے۔ بنائے علیہ ادھر صدائے خیر مقدم غلغلہ افگن تھی اور ادھر طبقہ مدرسین وطلبہ مدارس کے دلوں میں عقیدت وارادت کا کنول نسیم اشتیاق خیر مقدم سے شگفتہ ہو رہا تھا اور تمام مدارس کے مدرسین اور طلبہ بکمال توجہ آپ کے شایان شان خیر مقدم کے انتظامات میں مصروف تھے۔ اگرچہ تیاریوں کے لئے وقت بہت تھوڑا ملا تاہم اساتذہ اور طلبہ کے انہماک اور مشغولیت کے باعث نہایت عجلت اور سرعت کے ساتھ جملہ انتظامات من حیث الوجوہ مکمل ہو گئے۔

معائنہ مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ بیدر جس مبارک گھڑی کا پہروں انتظار تھا وہ نیک گھڑی بالآخر آپہنچی اور جس ہنگام مبارک مسرت التیام اور وقت فرخندہ بخت کے سب مدرسین اور طلبہ منتظر تھے وہ صبح عید کی طرح آگیا۔ ماہ آبان ۱۳۳۶ف کی بیسویں تاریخ مدرسہ فوقانیہ بیدر کی تاریخ میں ایک شاندار اور قابل فخر یادگار ہے۔ ٹھیک دس بجے مہاراجہ صدر اعظم بہادر کی سواری بادبہاری مدرسہ میں رونق افروز ہوئی۔ تمام اعلیٰ حکام مقامی پہلے ہی سے موجود تھے۔ صاحبزادگان بلند اقبال وصاحبزادیان ہمایوں فال اور جناب سید محمد مہدی صاحب معتمد باب حکومت اور جناب لول تعلقدار صاحب ضلع ہمراہ رکاب سعادت انتساب تھے۔ بوائز اسکاوٹ کی سلامی کے بعد جن کی دو رویہ صفیں آرایشی کمان سے مدرسہ کے دروازہ تک کھڑی تھیں۔ جناب مولوی سجاد مرزا صاحب صدر مہتمم تعلیمات صوبہ گلبرگہ و جناب مولوی شفیع الدین احمد صاحب مہتمم تعلیمات ضلع بیدر و جناب مولوی محمد حسین صاحب صدر مدرس مدرسہ فوقانیہ و دیگر عہدہ داران مقامی نے جناب ممدوح الصدر کا مدرسہ کے دروازہ پر استقبال کیا۔ اور جناب ممدوح صدر مدرس صاحب کے اجلاس کے کمرہ میں تشریف لے گئے جو اس موقع کے لئے خاص طور پر آراستہ کیا گیا تھا جس کی سج دھج طرازش و تزئین ہر طرح سے نظر افروز تھے۔

عالیجناب محتشم علیہ کے کرسی پر جلوہ افروز ہوتے ہی جناب صدر مہتمم صاحب نے اساتذہ وطلبہ کی

جانب سے سپاسنامہ پڑھکر پیشگاہ عالی میں گذراننے کا شرف حاصل کیا۔ سپاسنامہ خوشنما سنہری فریم میں تھا جس کے حواشی کو ڈرائنگ کلاس کے ایک طالب علم نے گل کاریوں سے دیدہ زیب بنادیا تھا۔ عالیجناب مہاراجہ صدر اعظم بہادر نے اس سپاسنامہ کو قبولیت سے مشرف فرمایا اور اس کے جواب باثواب سے عزت افزائی فرمائی سپاسنامہ وجواب سپاسنامہ کے نقول بغرض ہدیہ ناظرین اس مضمون کے آخر میں درج کی گئی ہیں۔

اس کے بعد حسب نظام العمل مجوزہ مختلف طلبہ نے حمد باری تعالیٰ۔ نعتیہ غزلیں۔ نعتیہ نظمیں اور تعلیمی نظمیں عربی۔ فارسی۔ اردو اور مرہٹی زبان میں خوش الحانی کے ساتھ سنائیں جن کے استماع سے جناب ممدوح الصدر کمال درجہ متاثر ومحظوظ ہوئے اور ہر طالب علم کو انعام عطا فرمایا۔ مولوی حبیب اللہ صاحب وفا مددگار مدرسہ نے دو مدحیہ قصائد اردو و فارسی میں کہے تھے۔ اردو قصیدہ وفا صاحب نے مدرسہ میں پڑھا اور فارسی قصیدہ بزم مشاعرہ منعقدہ صدر اعظم بہادر میں سنانے کی عزت حاصل کی۔ وفا صاحب کی شاعری سے جناب ممدوح الصدر بہت محظوظ ہوئے اور براہ قدر شناسی ان کو شرکت ڈنر کا اعزاز بخشا اور ایک بیش قیمت صلہ عنایت فرمایا۔ اس کے بعد جملہ جماعتوں کا تفصیلی معائنہ فرمایا گیا اور ہر جماعت کے مختلف طلبہ سے سوالات کئے گئے اور ان کے جوابات پر زبان فیض بیان سے جامع اور موثر نصائح ارشاد فرمائے اور جہاں کہیں اخلاقی نصیحت کی کوئی بات آتی وہاں جناب ممدوح الصدر طلبہ کو اس پر عمل کرنے کے لئے فرمائے۔ غرض کوئی جماعت شرف معائنہ سے محروم نہ رہی۔ ہر جماعت کے لڑکوں نے اپنی سمجھ اور صلاحیت کے لحاظ سے اپنی جماعت کا کمرہ سجایا تھا۔ جناب ممدوح نے یہ جدت پسند فرمائی اور جماعت مڈل کو عمدہ آرائش کے صلہ میں انعام عطا فرمایا۔ جماعت نقشہ کشی کے دو طالب علموں نے بہت بڑی سائز پر جناب ممدوح الصدر کی شبیہ مبارک کھینچی تھی ان تصویروں کو سنہری فریم میں منڈھا کر ہر دو طالب علموں نے پیش کرنے کی عزت حاصل کی اور انعامات سے سرافراز ہوئے۔ مدرسہ کے کتب خانہ کا بھی ملاحظہ فرمایا گیا۔ اور لائبریرین صاحب سے جو علم جوتش میں مہارت رکھتے ہیں تھوڑی دیر تک جناب ممدوح الصدر نے نجوم اور جوتش کے متعلق گفتگو فرمائی۔ تمام طلبہ مدرسہ کو شیرینی تقسیم کرنے کے لئے

رقم عنایت فرمائی اور اسی طرح بائز اسکوٹ کی دل افزائی فرمائی۔ الغرض ڈھائی گھنٹہ تک جناب ممدوح الصدر نے مدرسہ فوقانیہ بیدر کا معائنہ فرمایا اور حسن انتظام ضبط تربیت اور تعلیمی حالت پر خوشنودی اور شادمانی کا اظہار فرمایا اور جناب صدر مدرس صاحب کو شرکت طعام اور تحفہ سے سرفراز فرمایا

مراجعت فرمانی کے وقت مدرسہ کے دروازہ پر جناب ممدوح الصدر۔ صاحبزادگان۔ صاحبزادی صاحبہ اسٹاف و حکام مقامی کے فوٹو لیئے گئے اور بعد اختتام فوٹو کشی سواری مبارک کثیر التعداد طلبہ کے فلک شگاف نعرہ ہائے مسرت کی گونج میں مراجعت فرمائے کیمپ خاص ہوئی۔

معائنہ شاخ مدرسۂ فوقانیہ بیدر مدرسۂ فوقانیہ بیدر کے معائنہ سے دو روز قبل اس کی شاخ کا جو عمارت مدرسہ محمود گاوان میں قائم ہے معائنہ فرمایا گیا تھا۔ مدرسہ میں نہضت افروز ہونے کے بعد مہاراجہ صدر اعظم بہادر صحن میں کھڑے ہو کر کچھ عرصہ تک مدرسہ محمود گاوان کی سر بفلک کشیدہ عمارت کو جس سے جلیل المرتبت سلاطین بہمنیہ کی یاد تازہ ہوتی ہے ملاحظہ فرما کر بیحد متاثر ہوئے اور اس کی نگہداشت کی تدابیر پر غور فرمانے کا اظہار فرمایا۔ یہی نہیں بلکہ بیدر سے واپس ہوتے ہوئے اس عظیم الشان مدرسہ کے بانی خواجہ جہاں محمود گاوان کی قبر پر تشریف لے گئے اور فاتحہ پڑھی۔ اس کے بعد مدرسہ کی جماعتوں کا معائنہ فرمایا۔ چند طلبہ نے مختلف نظمیں سنائیں۔ اور دو مدرس صاحبان نے مدحیہ قصائد پڑھے ان سب کی انعامات سے حوصلہ افزائی فرمائی گئی۔ بوقت مراجعت مدرسہ کی جانب سے صدر ذیشان کو پھولوں کے ہار پہنائے گئے۔

معائنہ مدرسۂ صنعت و حرفت بیدر عالیجناب مہاراجہ بہادر نے مدرسۂ صنعت و حرفت بیدر کا بھی معائنہ فرمایا اور لڑکوں کو بیدری کام کرتے ہوئے ملاحظہ فرمایا۔ رامنا کاریگر کو انعام سے سرفراز فرمایا گیا اور لڑکوں کا تیار کردہ سامان خرید فرمایا اور ان میں شیرینی تقسیم کرنے کے لئے رقم عطا فرمائی۔ صدر مہتمم صاحب نے اس مدرسہ کے اصلاح کی بابتہ عرض کی۔ اسپر ارشاد ہوا کہ اسکیم پیش کردہ پر بلحاظ مناسب کیا جائیگا۔

بتاریخ ۲۳ ابان ۱۳۴۱ف صدر اعظم بہادر کی بیدر سے مراجعت عمل میں آئی۔ عام طور پر رئیس ملک یا کسی امیر کبیر کا بیدر میں ورود یا روانگی فتح دروازہ سے ہوا کرتی ہے۔ اس مرتبہ بھی رسم جاریہ

کے مطابق مد[illegible] اعظم بہادر کی مراجعت فتح دروازہ [illegible] سے قرار پائی تھی۔ لیکن چونکہ مدرسہ فوقانیہ اس راستہ میں نہیں پڑتا تھا اس لئے صرف طلبہ مدرسہ کی خاطر سدۂ ذیشان کے پروگرام میں تبدیلی کی گئی اور شاہ گنج کے دروازہ سے مراجعت قرار پائی تاکہ مدرسہ راستہ میں پڑے۔ مدرسہ کے کثیر التعداد طلبا کے دو رویہ صفیں مدرسہ کی سڑک پر کھڑی تھیں۔ جب سواری مبارک یہاں پہنچی تو موٹر کی رفتار دھیمی کردی گئی۔ تمام طلبہ جوش مسرت اور فرط عقیدت سے موٹر پر پھولوں کا مینھ برساتے ہوئے "زندہ باد یمین السلطنۃ اور "شاد باد صدر اعظم بہادر" کے نعرے لگاتے رہے۔ تمام فضا ان کے نعرہائے مسرت سے گونج رہی تھی کہ یکایک زنانہ موٹر رکی اور اسکوٹ بائز طلب کئے گئے جن کو مہارانی صاحبہ نے نقدی عطیہ سے سرفراز فرمایا۔ مراجعت سے قبل صدر مہتمم صاحب تعلیمات صوبہ گلبرگہ جن کو دوران قیام میں ہر وقت شرکت طعام کا شرف حاصل رہا۔ گرانقدر عطیہ جات سے سرفراز فرمایا گیا۔ چند ہی ایام کے قیام میں جناب ممدوح نے بیدر کے ہر اعلیٰ و ادنیٰ کو اپنی سخاوت اور اعلیٰ ہمتی اور سادگی سے اپنا حلقہ بگوش بنالیا تھا۔ جناب ممدوح کے ان اعلیٰ صفات نے جو ہر فرد بشر کے دل پر گہرا اثر پیدا کیا تھا اس کا اندازہ وہی کرسکتے ہیں جو دورہ میں آپ کے ہمراہ رکاب تھے۔

سپاسنامہ

سپاسنامہ پیشگاہ عالی جناب مستغنی عن الالقاب یمین السلطنۃ ہز ایکسلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر صدر اعظم دام اقبالہ و اجلالہ ممدوح والا محتشم عالیجناب صدر اعظم بہادر

جملہ اسٹاف و طلباء مدرسہ کی جانب سے بصد ادب و نیاز جناب ممدوح کے خیر مقدم کی تقریب باسعادت میں سطور مندرجہ ذیل بطور سپاسنامہ جاعہ اقدس میں پیش کرنیکی عزت حاصل کی جاتی ہے ؎ گر قبول افتد زہے عز و شرف

بیدر کی تاریخ میں عموماً اور مدرسہ فوقانیہ ہذا کے لئے خصوصاً آج کا دن مسرت اندوز

صدہا عیدوں سے بڑھکر ہے۔ ملازمان عقیدت نشان اور نونہالان تعلیم کا پیمانۂ دل انبساط و شادمانی سے لبریز ہو رہا ہے اور اُن کے قلوب بہار نشاط و کامرانی سے تازہ و شگفتہ ہو رہے ہیں۔

یہ ہماری نیک اختری و خوش قسمتی ہے کہ جناب ممدوح نے اپنے قدوم میمنت لزوم کے شرف ورود سے سرفراز فرمایا۔ اس موقع پر آپ کے فضائل حسبی و سلائل نسبی کا کلیتاً اظہار ناممکن ہے لیکن علی الاجمال تصریح و توضیح سپاس نامہ ہذا کے لئے موجب سعادت و برکات اور باعث فخر و مباہات ہے۔ تاریخ دکن آپ کے خانوادۂ اعلیٰ کی خصوصیات سے معمور ہے اور آپ کے بزرگان سلف میں اس ریاست ابد مدت کی وزارت مدت ہائے دراز تک رہی ہے اور پیشکاری کا ممتاز عہدہ اپکے دودمان بزرگ سے خاص امتیاز رکھتا ہے۔ حضرت غفران مکان کے دور حکومت میں جناب ممدوح ہی مدار المہامی کے عہدۂ جلیلہ سے ممتاز رہے ہیں۔ آپ کی علمی۔ ادبی اور سیاسی قابلیتیں فقید المثال و شہرۂ آفاق ہیں۔ الحمد للہ دور عثمانی کی معارف پسندی نے معزز ارباب حکومت نے جلیل القدر عہدۂ صدارت عظمیٰ کے لیے ذات فرخندہ شیم کا انتخاب فرمایا اور انوار آفتاب جہانبانی سے ذات والا کا ماہ تاباں منعکس و مقتبس ہوا۔ اس مدبرانہ انتخاب سے ریاست حیدرآباد کے دور سیاسی نے رفاہیت و امن و امان عامہ کی حبل المتین سے ایک غیر متزلزل استحکام پایا۔ یوں تو جناب ممدوح کی توجہات عالیہ جملہ محکمہ جات و سررشتہ جات کے ابواب نظم و نسق میں مصروف و منہمک ہیں لیکن سررشتۂ تعلیمات کی جانب ذات ستودہ آیات کا خاص طور پر شغف و انہماک ہے جسکی بدولت ملک تعلیمی اخلاقی۔ اقتصادی و تمدنی حیثیت سے یوماً فیوماً ترقی کے مدارج و معارج من احسن الوجوہ طے کر رہا ہے۔ شکر نعمت ہائے تو چندانکہ نعمت ہائے تو۔

کمترین عقیدت آگین جملہ اسٹاف اور طلباء مدرسہ کی جانب سے کمال ادب کے ساتھ اپکی رونق افروزی و تشریف آوری کا شکریہ و امتنان بطور نذرانہ پیش کرتا ہے اور عالیجناب کی پیشگاہ جلالت پناہ میں عہدۂ جلیلہ صدارت عظمیٰ کی عرض تہنیت و مبارکباد پر سپاسنامہ ختم کرتا ہے۔

تا جہانست سلامت بجہان ذاتت باد | ایں دعائے ست کہ بہتر زہمہ اورادِ است
گلشن دولت تو باد ہمیشہ خرم | تا بہ گیتی سبب خندۂ گلہا باد است

جواب سپاسنامہ

آپ سب نے جس عقیدت و محبت سے سپاسنامہ پیش کیا ہے وہ میری بیحد خوشی و شکر گزاری کا موجب ہے اس میں شک نہیں جیسا کہ آپ نے کہا دوبارہ مجھکو اس ملک کی ایک ذمہ دار خدمت دی گئی۔ گو میرا یہ زمانہ آرام و آسودگی سے بسر کرنیکا تھا۔ مگر اعلیٰحضرت کی عزت افزائی اور مالک و ملک کی خدمت گذاری کے شوق نے اس خدمت کے قبول کرنے پر مجھ کو آمادہ کیا۔

خدا سے دعا ہے کہ جس مقصد کے پیش رفت میں نے اس ذمہ داری کو اپنے سر لیا ہے اس میں حقیقتاً مجھ کو کامیابی حاصل ہو۔

میں نے اپنی مدار المہامی کے زمانہ میں بھی تعلیمی حالات کا مطالعہ ایسی ہی دلچسپی اور غور کے ساتھ کیا ہے جیسا کہ اب کر رہا ہوں۔ گو اس عرصہ مدت میں بہت کچھ ترقیاں ہوئی ہیں مگر میں یہ کہنے کو اب بھی تیار نہیں ہوں کہ ملک کی تعلیمی حالت میں جس اصلاح و ترقی کی ضرورت تھی وہ پوری ہو چکی۔ ابھی بہت کچھ ہونا باقی ہے جس کے لئے اپنی حد تک کوشش کا کوئی دقیقہ میں اٹھا نہ رکھونگا۔ اور آپ صاحبوں سے بھی مجھے امید ہے کہ اس کوشش میں میرا ساتھ دینے میں دریغ نہ کرینگے اور مالک و ملک کی خدمت گزاری کا قرار واقعی ثبوت دینگے۔

میری دعا ہے کہ اس مدرسہ کے بچے اپنے مقاصد میں فائز المرام اور زندگی میں کامیاب ہونگے۔

معائنہ مدارس بیدر کے علاوہ عالیجناب مہاراجہ سرصدر اعظم بہادر کے معائنہ مدارس فوقانیہ عثمانیہ محبوب نگر، وسطانیہ سنگاریڈی، لوکلفنڈ تدی کنڈی کی بھی روئدادیں وصول ہوئیں جو درج ذیل کی جاتی ہیں۔

معائنہ مدرسۂ فوقانیہ عثمانیہ محبوبنگر | ۱۷ ماہ مہر ۱۳۳۶ف کو مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت صدر اعظم باب حکومت نے مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ محبوب نگر کا معائنہ فرمایا۔ جناب ممدوح کی تشریف آوری کے قبل مدرسہ کی ضروری آرائش عمل میں آچکی تھی۔ جھنڈیوں، بیرقوں اور روشوں سے مدرسہ سجایا گیا تھا۔ ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے عالیجناب مہاراجہ صدر اعظم بہادر نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے مدرسہ کو عز و افتخار بخشا۔ جناب عبدالعزیز خاں صاحب صدر مہتمم تعلیمات صوبہ اور جناب شیر محمد خانصاحب مہتمم تعلیمات ضلع نے آپ کا استقبال کیا۔ اور عالیجناب صدر اعظم بہادر کے مدرسہ میں جلوہ افروز ہونے کے بعد طلباء مدرسہ نے نظمیں سنائیں اور مولوی حافظ محمد اسمعیل شریف صاحب ازکل نے فارسی قصیدہ مدحیہ سنایا جس سے عالیجناب صدر اعظم بہادر بہت محظوظ ہوئے اور تحسین سے عزت افزائی فرمائی۔ بعد ازاں مدرسہ کی جماعتوں کا تفصیلی معائنہ فرمایا گیا۔ اور مدرسین متعلقہ سے ضروری امور دریافت فرمائے اور اس کے بعد شاخ مدرسہ کا معائنہ فرمایا گیا اور دو گھنٹے کے معائنہ کے بعد مراجعت عمل میں آئی۔ اور از راہ عنایت و شفقت و علم پروری طلباء مدرسہ کو شیرینی تقسیم کرنے کے لیے ایکسو روپیہ مرحمت فرمائے۔ اور اسٹیشن پر سید سلیمان شاہ و مجاہد علی طلباء کو جنھوں نے نظم خدا حافظ سنائی۔ ایک اشرفی عنایت ہوئی۔

معائنہ مدرسۂ وسطانیہ سنگاریڈی | ۵ آبان ۱۳۳۶ف کی صبح تک تمامی محکمہ جات و دفاتر مزین ہو چکے تھے۔ اطراف و اکناف کی رعایا اپنے فیض بار صدر اعظم بہادر کے شرف دیدار سے سرشاد ہونے کے لیے جمع تھی۔ مہاراجہ بہادر کی رونق افروزی سے ایک روز قبل ہی عالیجناب مولوی عبدالعزیز خانصاحب بی۔ اے صدر مہتمم تعلیمات صوبہ میدک تشریف فرما ہو چکے تھے۔ اور جناب مولوی شیخ ابوالحسن صاحب بی۔ اے ایل ٹی مہتمم تعلیمات ضلع نے اپنی طبعی دلچسپی سے مدرسہ کی آرائش میں کافی حصہ لے رہے

عالیجناب صدر مہتمم صاحب وجناب مہتمم صاحب وجناب صدر مدرس صاحب بغرض استقبال مدرسہ کے پھاٹک پر پہنچکر استادہ ہوگئے۔ اس کے چند منٹ بعد سواری مہاراجہ بہادر ممدوح الشان مدرسہ کے پھاٹک پر فائز ہوئی جہاں آکر صاحبین نے استقبال کیا۔ مہاراجہ بہادر برآمدے میں جہاں دورویہ اسکاوٹ بوائز استادہ تھے تشریف فرما ہوئے اسکوٹ بوائز کی سلامی ہوئی اس کے بعد مدرسہ کے ہال میں جو بیرقوں خوبصورت خوشنما نقشوں اور قطعات اور مختلف اشیاء و مناظر کی نظر فریب تصاویر سے گلزار پُر بہار بنا ہوا تھا اور جس کے بیچ میں اسٹیج پر متعدد کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ جناب صدر اعظم صاحب بہادر اور صاحبزادگان فرخندہ فال زینت بخش ہوئے۔ جناب صدر مہتمم صاحب نے بجانب مدرسہ ریشمی پھولوں کا نہایت خوشنما ہار جس کو مدرسہ نے تیار کیا بہ کمال عقیدت پیش کیا اور مہاراجہ بہادر نے قبولیت کا اعزاز فرما کر پہن لیا۔ اسٹاف مدرسہ کو مراسم آداب بجالانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس کے بعد مدرسہ کے خردسال بچوں نے حمد باری کی نظمیں نہایت خوش الحانی سے پڑھیں۔ جس کو مہاراجہ بہادر اور سارے اسٹاف نے استادہ ہو کر سماعت فرمایا۔ زاں بعد ترانۂ سلامتی بادشاہ دکن نہایت ہی ترنم انگیز لہجہ میں سنایا۔ اس ترانہ کے ختم ہونے کے بعد مہاراجہ بہادر کرسی پر جلوہ فگن ہوئے اور مدرسہ کی طرف سے قصیدہ مدحیہ دو خردسال بچوں نے پڑھا۔ قصیدہ مذکور جو ایک خوشنما فریم میں چسپاں تھا۔ جناب صدر مدرس صاحب نے نہایت ادب کے ساتھ مہاراجہ بہادر کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کے بعد مولوی محمد عبدالغفور صاحب قدا مدرس مدرسہ نے اپنا قصیدہ سنایا۔ قصیدہ مہاراجہ بہادر کی خدمت میں پیش کرنے کی عزت حاصل کی۔ زاں بعد خردسال بچوں نے درختوں کے گملوں کے اطراف پھر کر ایک دلچسپ نظم سُنائی۔ انگریزی میں دو لڑکوں نے مکالمہ کیا۔ جس سے مہاراجہ بہادر بہت محظوظ ہوئے۔ مدرسہ کی ہر جماعت کا معائنہ فرماتے ہوئے ان کے اسباق مسموع فرماتے ہوئے جماعت صغیر کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے افتخار بخشا اور اس جماعت کے خردسال بچوں پر نہایت درجہ شفقت فرماتے ہوئے ان کے اسباق سُنے۔ ایک نابینا بچہ بھی موجود تھا جو حفظ کلام مجید کے لیئے مدرسہ آیا کرتا ہے مہاراجہ بہادر نے اس کی حالت پر رحم فرما کر پانچ روپیئے سے سرفرازی بخشی۔ اس کے بعد منجانب مدرسہ جناب صدر مہتمم صاحب تعلیمات نے شکریہ ادا کیا

مہاراجہ بہادر نے تعلیمی حالت پر طمانیت اور خوشنودی کا اظہار فرماتے ہوئے مراجعت فرمایا۔ مبلغ سو روپیہ طلبائے مدرسہ کی شیرینی اور مبلغ پچاس روپیہ نظم خواں بچوں کو عطا فرماکے سرفرازی بخشی گئی۔

معائنہ مدرسہ لوکلفنڈ نندی کندی جمعہ کی صبح بتاریخ ۲۴ آبان ۱۳۳۶ف مہاراجہ ممدوح الشان کی واپسی کا مژدہ لئے ہوئے پہنچی۔ یوں تو موضع ہذا کا ہر شخص اپنے ہر دلعزیز وزیر اعظم کے دیدار سے مسرت اندوز ہونے کے لئے اپنی نظریں جانب مغرب لگائے ہوئے تھا۔ مہاراجہ بہادر کی سواری یاد ہے تقریباً ایک بجے موضع نندی نائز ہوئی۔ موضع ہذا کا مدرسہ رنگ برنگ کے بیرقوں اور خوشنما کمانوں سے سجا ہوا تھا اور مدرسۂ ہذا کے تقریباً (۴۰) طلبہ اپنے ہاتھوں میں جھنڈیاں اور پھول لئے ہوئے لب سڑک استادہ تھے جوں ہی مہاراجہ بہادر کی موٹر پہنچی سبھوں نے ہپ ہپ ہرے کے نعرے لگائے اور پھول نچھاور کئے۔ عالیجناب مہاراجہ بہادر کی تعلیمی دلچسپی کا ایک بین ثبوت ہے کہ تقریباً (۲۰) منٹ اپنے ملک کے نونہال پودوں سے جن پر آئندہ ملکی نشو و نما موقوف ہے۔ ترانہ سلامتی شاہ دکن جس کو لڑکوں نے نہایت خوش الحانی سے پڑھا سماعت فرمایا۔ بعد ازاں جناب محمد عبدالرحمن صدر مدرس صاحب نے ایک پھولوں کا ہار بصد ادب مہاراجہ بہادر کو پہنانے کی عزت حاصل کی۔ لڑکوں کی حوصلہ افزائی فرمائی اور تعلیمی حالت پر اظہار خوشنودی فرماتے ہوئے برائے شیرینی نقد عطیہ سے سرفرازی بخشی گئی بعد ازاں بجانب نیچرو مراجعت عمل میں آئی۔

معائنہ مدرسہ تحتانیہ اسگنج تعلقہ و ضلع بیدر عالیجناب راجہ راجایان مہاراجہ یمین السلطنتہ صدر اعظم بہادر کی سرکار عالی کی سواری ہنا باد سے واپسی بلدہ کی خبر سنکر بتاریخ ۲۴ آبان ۱۳۳۶ف بروز جمعہ بوقت دس بجے صدر مدرس صاحب مع اسٹاف مدرسہ و طلبا سڑک ستوار پر بغرض خیر مقدم و سلامی حاضر تھے۔ ڈیڑھ سو زیادہ طلباء حاضر تھے سلامی دی گئی۔ بچوں نے کچھ دعائی نظم وغیرہ پڑھی۔ عالیجناب صدر اعظم بہادر نے موٹر روک لی۔ قریب پندرہ منٹ تک بچوں کو ملاحظہ فرمایا۔ مدرسہ کے مختصر حالات دریافت فرماتے اور مدرسہ کے نسبت خوشنودی ظاہر فرمائی۔ کچھ بندیاں غریب طلباء کو سرفراز فرمائیں اور طلباء مدرسہ

تسیم [illegible] کے لئے منعقد عطیہ سرفراز ہوا

تاریخ دکن کی اہمیت اور اس کی شرکت نصاب کی ضرورت

دکن کی عظیم الشان سلطنتیں

رقبہ اور عمران و آبادی کے لحاظ سے بھی دنیا کے بہتیرے ممالک جو اپنی مستقل و آزادانہ تاریخ رکھتے ہیں ملک دکن کی ٹکر کے نہیں ہیں۔ عام قاعدہ ہے کہ ہموار میدانی علاقوں میں وسیع سلطنتیں قائم ہوتی ہیں کیونکہ وہاں باغیوں کی سرکوبی کے لئے فوج کی نقل و حرکت میں زیادہ دشواری پیش نہیں آتی لیکن کوہستانی علاقوں میں نشیب و فراز کے باعث چھپنے اور پناہ لینے کا بہت موقع ملتا ہے۔ ایسے علاقوں میں اکثر بغاوتیں ہوتی رہتی ہیں اور چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستیں قائم ہو جاتی ہیں۔ اس اصول کے تحت چاہیئے تو یہ تھا کہ دریائے گنگا اور سندھ کی وادیوں میں عظیم الشان سلطنتیں قائم ہوتیں اور دکن کا پہاڑی ملک چھوٹی چھوٹی خود مختار حکومتوں پر بٹا رہتا لیکن تاریخ شاہد ہے کہ شمالی ہند میں بہ اوقات مختلفہ صرف موریا۔ کوشان اور گپتا کی تین وسیع سلطنتیں قائم ہوئیں وہ بھی قلیل مدت کے لئے لیکن اگرچہ دکن پہاڑی علاقوں پر مشتمل ہے۔ تاہم یہاں اندھرا۔ مغربی چالوکیہ پلاوا۔ مشرقی چالوکیہ۔ راشٹراکوٹ۔ جدید چالوکیہ۔ جادو۔ ہوسالہ اور کاکتیا وغیرہ کی عظیم الشان سلطنتیں معرض وجود میں آئیں جن کے اولو العزم فرمانروا ہمیشہ چھوٹے چھوٹے راجاؤں سے خراج وصول کرتے اور باغیوں کا سر کچلتے رہے۔ اگر مذکورہ بالا تین سلطنتوں یعنی موریا۔ کوشان اور گپتا سے قطع نظر کر لیا جائے تو شمالی ہند کی تاریخ دکن کی عظیم الشان سلطنتوں کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ایک ملاحظہ طلب امر یہ بھی ہے کہ دکن کی حکومتیں بلا فصل زمانی یکے بعد دیگرے بنیں اور بگڑیں جس کی وجہ سے یہاں کی تاریخ میں تسلسل و ترتیب پائی جاتی ہے۔ اس تسلسل میں صرف ایک اختلال ہے جو اندھرا کے زوال اور مغربی چالوکیہ حکومت کے قیام کے درمیانی عہد سے متعلق ہے۔ لیکن شمالی ہند میں اکثر اوقات ملک انتشار و پراگندگی چھائی رہی۔ صرف موریا۔ کوشان اور گپتا خاندان کے اولو العزم فرمانرواؤں نے کچھ عرصہ کے لئے وہاں کے بکھرے شیرازہ کو متحد رکھا لیکن بیسیوں بیرونی حملہ آور اس

شیرازہ کو پریشان کرکے ملک میں نراج وفقدانِ حکومت کا نقشہ جما دیتے ہے۔ شمالی ہند کا راجپوت دور تو خصوصیت کے ساتھ سیاسی آوارگی و پریشانی کا زمانہ تھا۔ سینکڑوں راجاؤں نے اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا رکھی تھی۔ بقول مسٹر ونسنٹ اسمتھ "اس زمانہ کی بے شمار چھوٹی چھوٹی حکومتوں کی مثال ان ذرات پریشان کی سی تھی جو فضائے بسیط میں چکر کھاتے پھرتے ہیں اور بجائے ایک نقطۂ ماسکہ پر مجتمع ہونے کے ایک دوسرے کے رادع و دافع ہوتے ہیں"۔ دکن کا شیرازہ کبھی اس طرح پریشان نہیں ہوا۔ ایک قابلِ ذکر امر یہ بھی ہے کہ جو ملک دکن کے لئے باعث صد فخر و مباہات ہے کہ شمالی ہند کے باشندوں کے کان میں غیر ملکی فاتحین کی غلامی کا حلقہ بسا اوقات پڑا لیکن دکن کی سلطنتیں یہیں کی خاک سے اٹھیں اور یہیں کی قوتوں سے مٹیں۔ واضح رہے کہ میرا روئے سخن صرف ہندو دور کے واقعات کی طرف ہے۔

دکن کی ہمہ گیر دلچسپیاں الغرض ان تمام وجوہات کی بنا پر ضرورت ہے کہ ملک دکن کی علیحدہ تاریخ مرتب کیجائے۔ لیکن نصف صدی قبل تک ہندو دور کے واقعات پردۂ خفا میں پڑے ہوئے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ براعظم ہند کی تاریخ لکھنے والوں نے سینکڑوں صفحے سیاہ کر ڈالے لیکن ان میں دکن کی تاریخ سے ایسا اغماض کیا گیا گویا اس ملک کا وجود ہی نہ تھا۔ مسٹر رومیش چندر دت اور مسٹر الفن اسٹون کے تاریخی مجلدات اسکی بہترین مثال ہیں۔ مسٹر ونسنٹ اسمتھ جیسے مشہور و معروف مورخ نے بھی تحقیق و تلاش سے جی چرا کر اپنی ضخیم کتاب کے صرف چند صفحات میں دکن کا بیان ختم کر دیا اور یہ کہکر برات چاہی کہ "دکن کے ادارات و موسسات محض مقامی دلچسپی کی چیزیں ہیں لیکن شمالی ہند کی تاریخ کے ساتھ عالمگیر دلچسپیاں وابستہ ہیں۔ اس لئے مورخ کو چاہیئے کہ وہ موخر الذکر تاریخ کو تفصیل و ایضاح سے بیان کرے اور اول الذکر پر صرف سرسری نگاہ ڈال لے"۔ لیکن فی الحقیقت یہ قول سطحی اور خلاف واقعہ ہے۔ کون نہیں جانتا کہ جزیرہ نمائے ہند کی دراوڑی اقوام کو جہاز رانی میں جو ملکہ حاصل تھا اور بابل۔ نینوا۔ سوریہ مصر۔ روم۔ یونان۔ چین۔ اور دیگر قدیم ممالک متمدنہ کے ساتھ ان کے جو وسیع تجارتی تعلقات قائم تھے وہ ہندی آریاؤں کو کبھی نصیب نہ ہو سکا۔ علاوہ بریں ایلورہ و اجنٹہ کے سنگتراشی منادر

کاری کا عظیم الشان بت ہے۔ مہابلی پور کے ہفت مندار جو رتھ یا پگوڈا کہلاتے ہیں۔ ہلیبیڑ کے نقش مندر۔ دیوگیری کا ناقابل تسخیر قلعہ۔ وارنگل کا ہفت کوٹ قلعہ و ہزار ستون مندر اور بہتیری قدیم عمارتیں عجائبات روزگار سے ہیں۔ ان کی تعمیر، سنگ تراشی۔ پیکر سازی، منبت کاری اور نقاشی کی نظیر ملنی دشوار ہے۔ زمانہ سلف کی یہ بے نظیر یادگاریں تمام ممالک متمدنہ کے سیاحوں کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ بقول ڈاکٹر گستاؤلی بان "ان عمارتوں کے زندہ نمابت دور دور کے سیاحوں سے ہاتھ ملانے کے لئے در و دیوار سے نکلے آتے ہیں"۔ شمالی ہند کی طرز تعمیر میں یونانی و ایرانی اثرات بیّن نظر آتے ہیں لیکن جزیرہ نمائے ہند میں دراودی اور چالوکیہ طرز تعمیر کے نمونے خاص یہیں کی پیداوار ہیں اور یہیں کی فضا میں ان کی پوری طرح نشو و نما ہوئی ہے۔ جو ملک تمام عالم کے سیاحوں اور محققین و ماہرین کے لئے صرف ضیافت طبع کا بلکہ سبق آموزی و بصیرت افروزی کا اس قدر سامان اپنے اندر رکھتا ہو اس کی تاریخ کو محض مقامی دلچسپی کی چیز قرار دینا اندھیر نہیں تو اور کیا ہے۔ دوسری جگہ خود مسٹر ونسنٹ اسمتھ مقر ہیں کہ "اگرچہ برہمنی خیالات و ادارات کو ہندوستان کے اکثر حصوں میں شرف قبولیت حاصل ہوا لیکن انھیں کامل طور پر کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ ابھی تک جزیرہ نما کے ان حصوں میں جہاں دراودی زبانیں بولی جاتی ہیں پرستش کے عجیب و غریب طریقے۔ دراودی عقائد و توہمات۔ غیرآریائی طرز معاشرت اور مذہبی تہوار و رسوم زمانۂ ماقبل تاریخ سے رائج چلے آتے ہیں۔ دراودی قومیں ایک خاص قسم کی تہذیب و معاشرت کی سرمایہ دار ہیں۔ اور ہمیشہ سے ہندی آریائی تمدن کو معاندانہ نگاہ سے دیکھتی آئی ہیں اور اپنی سماج میں اس اجنبی تمدن کی مداخلت کے خلاف سخت مجاہدہ کیا ہے۔ لیکن چونکہ دراودی معاشرت و ادارت کے متعلق ہماری معلومات ناکافی ہیں اس لئے وہ کسی مستقل تاریخ کی بنیاد نہیں بن سکتیں۔ ایسی حالت میں مورخ کو چاہیئے کہ وہ شمالی ہند کے ہندی آریائی ادارات کی جانب اپنی توجہ کا بڑا حصہ مبذول کرے"۔ اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ مسٹر موصوف دراودی معاشرت و ادارات کی قدامت و اہمیت تسلیم تو کرتے ہیں لیکن اپنی معلومات کی کمی کے باعث

وہ اس تمدن کو اپنی تاریخی کتاب کی بنیاد قرار نہیں دے سکتے۔ کوئی معقول پسند شخص اپنی کمی معلومات کی بنا پر کسی قابلِ قدر شئے کا استخفاف نہیں کرسکتا۔ اگر دکن کی قدیم تاریخ پر پردہ پڑا ہوا ہے اور شمالی ہند کے رُخ پر سے بیرونی سیاحوں۔ زائروں اور حملہ آوروں نے پردہ ہٹادیا ہے تو صرف یہ واقعہ موخرالذکر کے اول الذکر پر تفوق کا باعث نہیں بن سکتا۔ اگر ایک شاہد ناز بے نقاب ہو اور دوسرا نقاب پوش تو اول الذکر کی محض بے حجابی وجہ ترجیح نہیں قرار پاسکتی۔ اگر دکن کی قدیم تاریخ نقاب پوش ہے تو اُسے بے نقاب کرنا محققین کا فرض ہے۔ مسٹر ونسنٹ اسمتھ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ تحقیق دوست علما اور ماہرین اثریات کی انتھک کوششوں نے قدیم دکن کے عروس کو حجلۂ حجاب سے نکال کر منصّۂ شہود پر جلوہ گر کردیا ہے اور دکن کے قدیم سیاسی و معاشری حالات کے متعلق اس قدر وافر مواد فراہم کرلیا ہے کہ ان کی بنا پر ملک کی مسلسل و باترتیب تاریخ مرتب ہوسکتی ہے۔ ۵

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدار یار ہوگا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز پھر آشکار ہوگا

ملک دکن کی قدامت دکن کے بعض پرجوش مورخین کا خیال ہے کہ تاریخ ہند میں دکن کو نہ صرف ایک امتیازی درجہ عطا کیا جائے بلکہ یہاں کے ادارات کو برِاعظم ہند کی تاریخ کا سنگ بنیاد قرار دیا جائے کیونکہ ملکِ دکن میں اس وقت بھی بنی نوع انسان کی آبادی تھی۔ جبکہ شمالی ہند کی سطح پر ایک سرے سے دُوسرے تک سمندر موجیں مار رہا تھا۔ ماہرین ارضیات نے ثابت کیا ہے کہ ابھی ہمالیہ کی فلک بوس چوٹیاں سمندر کی سطح سے اُبھری بھی نہ تھیں کہ دکن کے وسیع خطہ نے تمازت آفتاب و بارانِ رحمت سے مستفید ہوکر اپنے اندر زندگی و روئیدگی کی صلاحیت پیدا کرلی تھی۔ جب شمالی ہند کے اوپر سے سمندر سرک بھی گیا تو کوہ اراولی اور کوہ ہمالیہ کے درمیان ایک غارِ عظیم چھوڑتا گیا جسے بھری مرادہ سے پُر ہونے میں ہزاروں برس لگے۔ لیکن اس سارے دور میں ملک دکن میں انسانی آبادیاں موجود تھیں۔ دکن کا شمالی ہند سے پہلے آباد ہونا محض قیاسی امر نہیں ہے بلکہ تحقیق قرینہ سے

ثابت ہے۔ ہندوستان میں آجتک زمانۂ حجریہ قدیم کے جتنے اوزار و ظروف حضریات سے برآمد ہوئے ہیں وہ سب کے سب دریائے نربدا۔ گوداوری اور کرشنا کی وادیوں سے دستیاب ہوئے ہیں۔ زمانۂ حجریہ جدید کے آثار بھی زیادہ تر جزیرہ نما ہی میں پائے گئے ہیں۔ کوہ بندھیاچل کے شمال بھی اس کے اکے دکے اوزار ملے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ حجریہ قدیم میں صرف جزیرہ نمائے ہند میں انسان آباد تھے لیکن زمانۂ حجریہ جدید میں وہ شمال کی جانب بڑھکر ۲۵ درجہ عرض بلد تک پہنچ گئے تھے۔ ماقبل آریائی تہذیب و تمدن کے مطالعہ کے لئے جزیرہ نما ہی اہل بصیرت کے سامنے میدان تحقیق پیش کرتا ہے۔ ملک دکن کی اہمیت اور یہاں کے ادارات کی قدامت کے متعلق پروفیسر سندارام پلّے کی حسب ذیل تجویز کا ایک ایک لفظ حق صداقت میں ڈوبا ہوا ہے۔ پروفیسر صاحب فرماتے ہیں کہ "شمالی ہند میں بیٹھکر سنسکرت کی کتابوں کے مطالعے سے ہندی تمدن کے بنیادی اصول و عناصر کا کھوج لگانا گویا مسئلہ زیر بحث کو سب سے خراب اور پیچیدہ نقطہ سے آغاز کرنا ہے۔ لفظ 'ہند' کا اطلاق صحیح معنوں میں کوہ بندھیاچل کے جنوب یعنی جزیرہ نما ہی پر ہوسکتا ہے یہاں کے باشندوں کا کثیر حصہ آج تک ماقبل آریائی خط و خال۔ زبان۔ ادارات اور دیگر خصوصیات کا سرمایہ دار ہے۔ زمانۂ مابعد میں انکے تمدن پر بھی آریائی رنگ ضرور چڑھا جس کے باعث دراوڑی اور آریائی عناصر میں تفریق کرنا دقت طلب امر ہے تاہم اگر دونوں تمدنوں میں امتیاز قائم کرنا ممکن ہے تو وہ جنوب ہی میں ہے۔ ہم جوں جوں زیادہ جنوب کی طرف بڑھتے ہیں توں توں یہ امتیاز زیادہ نمایاں ہوتا جاتا ہے۔ اس بنا پر ہند کے معقول پسند مورخ کو چاہیئے کہ وہ تاریخ ہند کو گنگا اور سندھ کی وادیوں سے آغاز کرنے کے دقیانوسی طریقہ کو خیرباد کہکر قدیم ہندی ادارات و معاشرت کا مطالعہ دریائے گوداوری۔ کرشنا اور کاویری کی وادیوں سے شروع کرے۔"

کمی مواد کی شکایت | الغرض تمام امور مذکورۂ بالا کے پیش نظر ضرورت داعی ہے کہ ملک دکن کی علحدہ تاریخ مرتب کیجائے۔ اور یہاں کے تمام مدارس میں اس کی باضابطہ تعلیم دی جائے لیکن تاریخ دکن کی تدوین میں کمی مواد کی شکایت عام طور پر سنی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان تاریخ نویسی

ناواقف تھے۔ ان کی طبیعت عجوبہ پسند واقع ہوئی تھی۔ ان کو صحیح اور سیدھے سادے واقعات سے مطلق دلچسپی نہ تھی۔ اہل ذہنیت محدب آئینہ کی سی تھی۔ جن میں ہر شے ٹیڑھی نظر آتی ہے۔ صرف غیر فطری واقعات مافوق العادات کارناموں اور عجیب و غریب انسانوں سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مہابھارت رامائن اور پورانوں کے ضخیم مجلدات مبالغہ آمیز غیر فطری واقعات اور داستانوں سے لبریز ہیں جو تاریخ کی کسوٹی پر بالکل کھوٹے ثابت ہوتے ہیں۔ برہمن علما کو زیادہ تر مذہب اور فلسفہ سے سروکار تھا لیکن جب کبھی وہ ازراہ تملق و خوشامد کسی راجہ یا سورما کی سوانح عمری لکھتے تو اپنے بطل (ہیرو) کو ایسا بانس پر چڑھاتے کہ اس کی شخصیت بجائے تاریخی ہونے کے محض افسانوی ہو جاتی تھی۔ لہذا یہ قول سچ ہے کہ ہندوؤں نے صفحہ قرطاس پر اپنی کوئی معتبر تاریخ نہیں چھوڑی ہے۔ لیکن دکن کے اولوالعزم فرمانرواؤں کو یہ فکر سدا دامنگیر تھی کہ اُن کے عظیم الشان کارنامے بحرِ فراموشی میں غرقاب نہ ہو جائیں اور اُن کی شاندار یادگاریں دست بُرد زمانہ سے محفوظ رہیں۔ لہذا انہوں نے اپنا نام روشن اور زندہ رکھنے کے لئے اپنے عہد کے مشہور واقعات اپنی شاندار فتوحات کے تذکرے اور اپنی فیاضانہ کارگزاریوں کے حالات لوحِ سنگ یا فلزی پتروں پر کبھی نہ مٹنے والے حروف میں کندہ کرائیں۔ یہ بیش بہا کتبات صدیوں تک زمانہ کی سرد مہری و بے اعتنائی کا شکار بنے رہے۔ بالآخر موجودہ زمانہ میں ڈاکٹر فلیٹ۔ سٹرال۔ رائس۔ مسٹر ریپسن پروفیسر کلہورن۔ پنڈت بھگوان لال اندراجی۔ سر بھنڈارکر وغیرہ جیسے محققین کی عقابی نگاہیں ان پر پڑیں۔ انہوں نے ان کتبوں کے چربے۔ ان کی عبارت مع ترجمہ اور ان کے متعلق اپنے بیش قیمت خیالات وقتاً فوقتاً انڈین انٹی کوری۔ اپی گرافیا انڈیکا۔ اپی گرافیا کرناٹیکا۔ رائل ایشیاٹک جرنل وغیرہ میں شائع کئے جن کے بغور مطالعہ۔ موازنہ و مقابلہ کی بنا پر دکن کی قدیم تاریخ کا خاکہ تیار کر لیا گیا۔ واضح رہے کہ ملک دکن میں کتبات کا افراط ہے۔ بہتیرے دریافت شدہ کتبات کا ہنوز ترجمہ و مقابلہ نہیں کیا گیا ہے اور ابھی بے شمار کتبات دریافت شدنی ہیں اگر محققین علم سکہ جات و ماہرین آثریات کی کوششوں کا سلسلہ یوں ہی جاری رہا تو وہ زمانہ دور نہیں جبکہ ان کی انتھک

کوششوں سے اتنے وافر مواد جمع ہو جائینگے کہ ان کی مدد سے قدیم دکن کی معتبر تفصیلی تاریخ بغیر اُن کہانیوں کے تیار ہو جائیگی جو شمالی ہند کی تاریخ میں پڑے ہوئے ہیں جو تاریخ کتبات و سکہ جات پر مبنی ہوگی وہ اس تاریخ سے کہیں زیادہ قابل وثوق ہوگی جس کی بناء افسانوں۔ قصہ کہانیوں رزمی کتب و روایات وغیرہ پر رکھی گئی ہو۔

بہرکیف کمی مواد کی شکایت صرف ہندو دور پر عائد ہوتی ہے۔ مسلمان فن تاریخ نویسی سے پوری طرح واقف تھے۔ انہوں نے صرف تاریخ دکن پر سینکڑوں کتابیں لکھ ڈالی ہیں۔ چنانچہ "محبوب الوطن" کے مولف نے تاریخ دکن کے متعلق ۱۲۵ کتابوں کے نام گنائے ہیں لیکن یہ فہرست بھی مکمل نہیں ہے بلکہ اس میں کتنے اور نام ٹکنے کے ہیں۔ الغرض سلطنت بہمنیہ کے قیام کے بعد سے تاریخی مواد کی کمی نہیں ہے۔ تاہم یہ تمام تاریخی کتب پرانے دستور کی ہیں جن کا نہ اُور معلوم ہوتا ہے اور نہ چھور۔ ان میں زیادہ تر جنگ و جدال کے واقعات درج ہیں کیونکہ قدیم مورخین ملک کی تمدنی و معاشرتی حالت پر روشنی ڈالنا اپنے منصب کے خلاف سمجھتے تھے جنگ و جدل اور شکست و فتح کے جو تفصیلی واقعات بیان کئے گئے ہیں ان پر بھی ہر جگہ مبالغہ کا رنگ غالب ہے عبارت آرائی و رنگیں بیانی پر واقعات کی صحت و صداقت قربان کر دی گئی ہے۔ کتاب کی ضخامت بڑھانے کے لئے ہر قسم کے رطب و یابس بھر دیے گئے ہیں اور ژرف نگاہی و تحقیق و تنقید سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ ان کتابوں کی تنظیم و تقسیم و ترتیب و تبویب بھی علمی و منطقی اصول پر نہیں کی گئی ہے۔ لہذا ضرورت داعی ہے کہ اسلامی دور کی تاریخ بھی نئے قالب میں ڈھالی جائے اور اس کی تدوین میں وہ علمی تنقیدی اصول ملحوظ رکھے جائیں جو موجودہ دور کے یوروپی تاریخ نویسوں کا طرۂ امتیاز ہیں۔

موجودہ تاریخی کتب دورِ حاضرہ میں تاریخ کی بیسیوں مبسوط کتابیں لکھی گئی ہیں جو سارے برِاعظم ہند کے تاریخی واقعات پر مشتمل ہونے کی مدعی ہیں۔ لیکن انہیں نظر غور سے دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ان میں دکن کے وسیع ملک کا بیان صرف دس بارہ صفحوں پر ختم کر دیا گیا ہے وہ بھی

ایک علیحدہ باب قرار دیکر جسے ترک کر دینے سے شمالی ہند کی تاریخ کے تسلسل میں کوئی فرق رونما نہیں ہوتا۔ اس قسم کی تاریخی کتابیں شمالی ہند کے طلبہ کے لئے ضرور مفید ہوتی ہیں کیونکہ ان میں انکے ملک کے حالات بہ تفصیل درج رہتے ہیں اور انکی وسعتِ معلومات کے لئے جزیرہ نمائے ہند کا ذکر بھی ضمناً و تبعاً شامل ہوتا ہے۔ لیکن افسوس ناک امر یہ ہے کہ ملک دکن کے مدارس میں بھی ملکی ضروریات کے خلاف اسی قسم کی تاریخیں شریک نصاب کر دی گئی ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں کے طلبہ کو اشوک اور ہرشا کے کارنامے تو ازبر ہیں لیکن یا لکیسی اور راندر کے نام سے بھی اُن کے کان آشنا نہیں ہیں۔ وہ پاٹلی پتر اور قنوج سے خوب واقف ہیں لیکن الیورہ اور اجنٹہ کے متعلق انکی معلومات محض سطحی ہیں۔ ہندوستان کے وائسرائوں کے نام اور ان کے کارنامے ہمارے طلبہ کے نوک زبان ہیں لیکن وہ اپنے آقائے ولی نعمت کے بزرگواروں کے نام سے بھی واقف نہیں ہیں۔ طلبہ کی اس لاعلمی اور افسوسناک طریقۂ تعلیم کا انسداد اسی وقت ممکن ہے جبکہ ان کو ایسی تاریخی کتابیں پڑھائی جائیں جن میں ملکِ دکن کے واقعات صراحت و وضاحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہوں۔

سرکارِ عالی نے بہ صرفِ کثیر ایک دارالترجمہ قائم کیا ہے تاکہ جامعہ عثمانیہ کے سلسلہ یا اس سے ملحقہ کلیہ و مدارس کے طلبہ کی تعلیم کے لئے غیر زبان کی بہترین کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرلیا جائے اور اگر ملکی مفاد و ضروریات کے لحاظ سے السنہ غیر میں مناسب کتابیں موجود نہ ہوں تو وہ تالیف کیجائیں۔ فی الحال تاریخ ہند کی جو کتاب جماعتہائے فوقانیہ میں شریک نصاب کی گئی ہے وہ موخر الذکر قسم کی ہے۔ انگریزی زبان میں تاریخ ہند کی متعدد کتابیں ایسی موجود ہیں جن میں کم از کم دو تین باب تاریخ دکن کے لئے وقف ہیں۔ اگر انہی میں سے کسی ایک کا ترجمہ شریک نصاب کیا جاتا تو بہتر تھا لیکن اس وقت جو کتاب داخلِ نصاب ہے وہ اگرچہ تالیف ہے جہاں مولف کا اشہب قلم ترجمہ کی قید و بند سے آزاد اور ملکی مفاد و ضروریات کے پیشِ نظر دکن کے قدیم و جدید تاریخی میدان میں اپنی جولانی و تیز گامی دکھانے کے لئے تیار تھا تاہم بلاوجہ اس کی عنان غلط سمت موڑ لیگئی

بس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس ضخیم کتاب میں سہ ہزار سالہ ہندو دور کے واقعات صرف چند صفحوں کے میں بند کر دیئے گئے ہیں۔ دکن کے متعلق تو صرف اندھرا اور چالوکیہ خاندان کا نام ہی لکھدیا۔ تین ہزار سال کے تاریخی واقعات کی نمائندگی کے لئے کافی سمجھا گیا ہے۔ دکن کے پُر از واقعات اسلامی دور کا استقصا بھی دو تین صفحوں سے زیادہ کا مستحق نہیں خیال کیا گیا۔ اس کتاب کو یہاں کے مدارس میں پڑھانا ٹھیک ویسا ہی ہے جیسے انگلستان کے طلبہ کو فرانس کی تاریخ کی تعلیم تو دیجائے لیکن ان کے کان اپنی ملکی تاریخ سے نا آشنا رکھے جائیں۔ تعجب ہے کہ سات سمندر پار کے ملک یعنی انگلستان کی تاریخ تو ہمارے مدارس کی درسیات میں شریک کر دی گئی ہے لیکن اپنے ملک کی تاریخ کو جس کا شمار لازمی مضامین میں ہونا چاہیئے تھا۔ بدقسمتی سے اختیاری مضمون کی بھی حیثیت نہیں عطا کی گئی۔

تاریخ کی تعلیم کا نفسیاتی اصول ماہرین فن تعلیم نے تاریخ پڑھانے کے کئی طریقے مقرر کئے ہیں ان میں بہترین طریقہ وہ ہے جو نفسیاتی اصول پر مبنی ہے اور جسے اصطلاح میں "طریقہ تدریجی" یا "ہم مرکزی طریقہ" کہتے ہیں۔ ( ) اس طریقہ کے تحت ابتداءً کسی ملک کے مشاہیر کے تذکرے اور اہم واقعات کہانی کے طور پر صغر سن طلبہ کو بتائے جاتے ہیں۔ اور پھر ایام درس تفصیلات وجزئیات میں رفتہ رفتہ اضافہ کیا جاتا ہے۔ نفسیات کا علم و نیز تدریسی تجربہ شاہد ہے کہ تعلیم اسی وقت موثر و کارگر ہوتی ہے جبکہ وہ طلبہ کی اشتیاق آفرینی و جلب توجہ کی موجب ہو۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ کم سن لڑکوں کو قصہ کہانی سے فطری رغبت ہوتی ہے۔ لہذا انہیں اہم تاریخی واقعات قصہ کہانی کے پیرایہ میں بتانے چاہئیں بڑے لڑکوں میں شوق و دلچسپی پیدا کرنے کا سب سے چلتا گر یہ ہے کہ ہر نئی واقفیت ان کی معلومات سابقہ کے ساتھ مربوط کی جائے۔ اگر طلبہ کے سامنے بالکل بے تعلق اور غیر مانوس واقعات بیان کئے جائیں تو وہ اُن کے سمجھنے سے قاصر رہینگے اور سبق روکھا پھیکا اور بے معلوم ہوگا۔ لیکن اگر ان واقعات کی تشریح طلبہ کی معلومات سابقہ کے حوالہ سے کیجائے تو وہ بہت جلد اُن کے ذہن نشین ہوجائینگے۔ اس نفسیاتی اصول کے پیش نظر مدارس ثانویہ میں فن تاریخ کی

تعلیم تین زینوں پر تقسیم کی گئی ہے۔ پہلے زینہ میں طلبہ کو صرف اعاظم رجال کے کارناموں سے روشناس کرایا جاتا ہے۔ یہ کارنامے و تذکرے بمنزلۂ بنیاد کے ہیں جن پر آگے چل کر تاریخی عمارت کھڑی کیجاتی ہے دوسرے زینہ میں طلبہ کو تاریخی واقعات با ترتیب زمانہ وسلسلہ وار بتائے جاتے ہیں یہاں ازمنہ ماضیہ کے اکابر رجال کے کارناموں کے علاوہ قومی وجماعتی ادارات و تحریکات کے عروج وزوال اور ارتقا وانحطاط سے بھی طلبہ کو آگاہ کیا جاتا ہے۔ علاوہ بریں واقعات کے اسباب و نتائج کے مابینی تعلقات پر بھی روشنی ڈالی جاتی ہے۔ اس کے بعد تیسرے زینے کی باری آتی ہے جہاں طلبہ کے پڑھنے کے لئے مبسوط کتابیں مقرر کیجاتی ہیں۔ اس زینے میں طریقۂ تعلیم تو وہی ہوتا ہے جو دوسرے زینہ کا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں زیادہ تفصیل و ایضاح سے کام لیا جاتا ہے مختلف واقعات و ادارات و تحریکات پر زیادہ شرح وبسط کے ساتھ بحث کی جاتی ہے مزید وضاحت کے لئے کتب درسی کے علاوہ تاریخی مضامین و تعارير سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے۔

اس اصول کے تحت ہمارے ہاں کے مدارس میں زینہ اول کی تعلیم کا معقول انتظام ہے پہلے جماعت چہارم و پنجم میں مسٹر سوربی کی کتاب "دکن کی تاریخی کہانیاں" پڑھائی جاتی تھی لیکن اس کتاب میں ایک بڑا نقص یہ تھا کہ اس میں سہ ہزار سالہ ہندو دور کے واقعات سے ایسا اغماض کیا گیا ہے گویا اس طویل مدت میں ملک دکن کا وجود ہی نہ تھا۔ عملاً یہ کتاب اسلامی فتوحات کے بعد کے واقعات پر مشتمل ہے بہرحال موجودہ درسی کتاب "تاریخ دکن" میں مولوی سید ہاشمی صاحب نے اس کمی کی تلافی کردی ہے۔ لیکن زینہ دوم وسوم کی تعلیم کا مطلق انتظام نہیں ہے جماعتہائے وسطانیہ وفوقانیہ کے طلبہ اپنے ملک کی تاریخ سے بالکل نابلد رکھے جاتے ہیں غالباً اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ ارا کین دارالترجمہ کی ساری تگ و دو محض ترجمہ ہی تک محدود ہوتی ہے۔ انگریزی زبان میں زینہ دوم و زینہ سوم کے حسب حال دکن کی تاریخی کتابیں موجود نہیں ہیں کہ ان کا آسانی سے ترجمہ کردیا جائے۔ ہر زینہ کے طلبہ کی ذہنی سمائی کے مطابق تاریخی کتب کی تالیف سخت جانکاہی و عرقریزی کی متقاضی ہے۔ تاہم ملک میں ایسے قابل افراد کی کمی نہیں جو اس کام کا بیڑا نہ اٹھا سکیں۔ حکام جامعہ وسررشتۂ تعلیمات کو جلد اس جانب اپنی توجہ مبذول کرنی چاہیئے

اور جامعہائے مڈل و میٹرک کے لئے جلد مناسب تاریخی کتب مرتب کرا کے انہیں شریک نصاب کرنا چاہیئے البتہ انکی وسعت معلومات کی خاطر انہیں ہندوستان کی تاریخ بھی ضمناً و تبعاً پڑھا دینی چاہیئے ۔

معلم تاریخ کا فرض معلم تاریخ کو چاہیئے کہ وہ محض کامیابی امتحان کو اپنا مقصد نہ قرار دے اور اپنی ساری جد و جہد محض درسی کتاب کی تعلیم تک محدود نہ رکھے ۔ مدرسین کے فرائض نہایت اہم و مقدس ہیں آئندہ نسلوں کا سنوارنا اور "اچھے شہری" پیدا کرنا ان کا نصب العین ہونا چاہیئے اگر امتحان میں زیادہ سے زیادہ طلبہ کو کامیاب کرانے کے لئے صرف درسی کتابیں یا ان کے خلاصے لڑکوں کو رٹا دئے جائیں تو تعلیم کا اعلیٰ مقصد کبھی حاصل نہ ہوگا ۔ ضرورت داعی ہے کہ طلبہ میں حب الوطنی ۔ ایثار نفس ۔ قوم و ملک کی خدمت آقائے ولی نعمت کے ساتھ حسن عقیدت و وفاداری کا مادہ پیدا کرنے کے لئے انہیں اپنے ملک کی مفصل تاریخ اور اپنے اسلاف کے شاندار کارناموں سے روشناس کرایا جائے ۔ تاریخ کی موجودہ درسی کتابیں جو زیادہ تر شمالی ہند کے واقعات پر مشتمل ہیں اس غرض کو پورا نہیں کرسکیں اوپر دکھایا جاچکا ہے کہ ملک دکن کی تاریخ کوئی ضمنی و تبعی شئے نہیں ہے بلکہ مستقل و آزادانہ حیثیت رکھتی ہے کئی اعتبار سے یہاں کی تاریخ کو شمالی ہند کی تاریخ پر تفوق و برتری حاصل ہے ۔ معلم تاریخ کو ذہن نشین کرلینا چاہیئے کہ ہمارے ہاں کے طلبہ کو اپنی ملکی تاریخ سے واقف کرانا اصلی مقصد ہے اور شمالی ہند کی تاریخ کی تعلیم محض توسیع معلومات کی خاطر ہے ۔ اگر معلمین جامعہ عثمانیہ کی ہدایات کے دست نگر و منتظر رہینگے تو ان کی تعلیم پر "تا تریاق" کی مثل صادق آئیگی ۔ معلمین کو چاہیئے کہ وہ ملکی مفاد و ضروریات کے پیش نظر اپنا لائحہ کار مرتب کرلیں اور دارالترجمہ کی جانب سے مناسب کتب تاریخ کی طباعت و اشاعت کا انتظار نہ کریں فی الحال مسٹر ونسنٹ اسمتھ ۔ مسٹر ای ۔ مارسڈن ۔ مسٹر راما سوامی ایر کی تاریخ ہند کی کتابوں اور امپیریل گزیٹیر جلد دوم میں دکن کے متعلق جو تاریخی واقعات درج ہیں وہ جامعہائے وسطانیہ کے طلبہ کی معلومات کے لئے کافی ہیں ۔ معلم تاریخ کو چاہیئے کہ وہ ان کتب کا بغور مطالعہ کرے اور دکن کے متعلق تمام معلومات حاصل کرکے انہیں ترتیب و سلسلہ کے ساتھ طلبہ کے سامنے پیش کرے ۔ اس طرح زینہ دوم کی ضروریات بدرستی پوری ہو جائینگی ۔ البتہ تیسرے زینہ کی تعلیم کے لئے زیادہ تفصیلی واقعیت کی ضرورت ہے ۔

ہند و بعد کے واقعات بمبئی گزیٹیر۔ ایپی گرافیا انڈیکا۔ ایپی گرافیا کرناٹیکا۔ رائل ایشیاٹک جرنل میسور گزیٹیر وغیرہ کی مختلف جلدوں میں تفصیل سے درج ہیں اور اسلامی دور کے واقعات کے بیان کے لئے "محبوب التواریخ" وسلسلہ آصفیہ کے متعدد مجلدات وقف ہیں۔ لیکن تمام کتب کا ہر کتب خانہ میں پایا جانا مشکل ہے۔ علاوہ بریں ہر معلم تاریخ کے لئے ان تمام ماخذ سے ضروری واقعات کا انتخاب آسان کام نہیں ہے۔ ان پر عبور حاصل کرنا برسوں کی پیہم جگر کاوی و عرقریزی کا تقاضی ہے۔ ضرورت تھی کہ کوئی فرزند ملک آگے بڑھتا اور آج کل کے علمی و تنقیدی اصول پر دکن کی مفصل تاریخ مرتب کرتا۔ لیکن جب کسی فرزند وطن نے اس کا حامی نہ بھرا تو بالآخر ایک مسیحی عالم نے اس اہم کام کا بیڑا اٹھایا۔ چنانچہ حال ہی میں مسٹر جے۔ ڈی۔ بی۔ گریبل نے دو جلدوں میں ملک دکن کی بیش بہا تاریخ شائع کی ہے جو مسٹر موصوف کے سالہا سال کی محنت جانفشانی کا ثمرہ ہے۔ یہ کتاب معلمین تاریخ کیلئے سراج منہاج کا کام دیگی تعلیم تاریخ کے تیسرے زینہ کی ضروریات اس سے ... ہیں۔ اردو داں خلائق کے استفادہ کیلئے دارالترجمہ اس کتاب کو اردو کے قالب میں ڈہال ...

جامعہ نلندہ

قدیم ہندوستان کے تمام بڑے بڑے تعلیمی مرکزوں میں کوئی مرکز بھی جامعہ نلندہ کی مانند عظیم الشان نہیں تھا۔

نلندہ میں صومعہ کے قیام کی صحیح تاریخ مشتبہ ہے۔ تبتی مورخ تارا ناتھ کے مطابق اسکا سنگ بنیاد اشوک نے رکھا۔ ہیوک سانگ اس کی بنا، اس وقت سے تعبیر کرتا ہے کہ "بدھا کو نروان حاصل کئے ہوئے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا" کہ اس ملک کے سابق بادشاہ سکردتیا نے "شگون سے اچھی جگہ منتخب کر کے اس سنگھرم کو تعمیر کیا"۔ اس کے سوانح نگار کا بیان ہے کہ نلندہ میں

اس کے آنے کے قیام کے وقت صومعہ کو وجود میں آئے سات صدیاں گذر چکی تھیں جس کے معنی یہ ہوئے کہ اس کی بنیاد پہلی صدی قبل مسیح میں رکھی جا چکی ہے۔ لیکن فاہیان اس کا قطعی ذکر نہیں کرتا۔ اس کی خاموشی کا مطلب شاید یہ ہو کہ اگر صومعہ عالم وجود میں آ بھی گیا ہوگا تو اس نے ابتک شہرت نہ حاصل کی ہوگی۔ بہر حال نلندہ کی عظمت کا آغاز (۴۰۰) ب م اور (۴۰۰) ب م کے درمیانی زمانہ میں ہوا ہے۔ پروفیسر سمادار نے اندازاً (۴۵۰) ب م ایسی تاریخ تسلیم کی ہے جب سے نلندہ کو شاہی طور پر تسلیم کیا گیا۔

بُدھ مت کے پیرو صومعہ کا جائے وقوع مقدس خیال کرتے تھے۔ بودھ روایات کے بموجب جن کو ہون سانگ نے قلم بند کیا ہے ناتھا گاتا نے زمانہ پیشین میں یہاں بدھی ساتیا کے مانند زندگی بسر کی اور وسیع ملک کا بادشاہ بن کر اس سرزمین میں اپنا دارالسلطنت قائم کیا وہ ذی روح پر ترس کھاتا اور ان کی تکالیف دور کر کے اُسے ہمیشہ خوشی حاصل ہوتی تھی۔ اس صفت کی یادگار میں اُسے "سخاوت بلا توقف" یا نلندہ کہتے تھے اور سنگھرم اسی نام کے دوام کے باعث نلندہ کہلایا۔ گوتم بدھ نے یہاں تہنیت افروز ہو کر تین ماہ تک "قانون ابدی" پر مواعظ فرمائے۔ ابتداء میں اس جگہ آم کا باغ تھا۔ پانچ تجار نے سونے کی دس کوٹی میں خرید کر اسے "معلم اعظم" کی نذر کیا۔

لیکن جیسا کہ قبل ازیں کہا گیا اس صومعہ کی تعمیر کا سہرا سکر دتیا کے سر رہا۔ اس کے فرزند بدھ گپت راجہ نے اصلی عمارت کے مشرقی جانب دوسرا سنگھرم تعمیر کرایا۔ بالادتیا راجہ (غالباً نرسنگھ گپت بالادتیا جو مہرگل اور یاسو ورمن کا ہم عصر تھا) اور اس کے جانشین نے دوسری تعمیر شمال مشرقی جانب کرائی اور تاج و تخت سے کنارہ کش ہو کر خود بھی باقاعدہ طور پر اس کا رکن ہو گیا۔ اس کے بیٹے واجرا نے مغربی سمت عمارتوں کے جدید سلسلہ کا اضافہ کیا۔ بعد ازیں وسط ہند کے ایک بادشاہ نے اس کے شمال میں ایک نہایت وسیع سنگھرم اور ان عمارتوں کے اطراف ایک بلند دیوار جس میں ایک دروازہ تھا اور جو وسط کے دوسرے آٹھ بڑے کمروں کو

بُدّا گرتی تھی تعمیر کرایا۔ اس طرح پے در پے چھ بادشاہوں نے ان عمارتوں میں اضافہ کیا

ہیون سانگ کی تصدیق ہیون سانگ اور اس کا سوانح نگار شامن ہیون لی دونوں عمارت کی صنعتی خوبی کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ ہیون سانگ کہتا ہے کہ سنگ تراش نے تمام و کمال صنعت و کاریگری کے جوہر دکھائے "چنانچہ یہ عجیب قابلِ دید عمارت" تیار ہوئی۔ عمارت کے بیان میں اس کا سوانح نگار اُس سے بھی زیادہ تفصیل سے کام لیتا ہے اور کہتا ہے کہ "نہایت آراستہ مینار" پریوں کی مانند بر جیان پہاڑ کی چوٹیوں کی طرح نوکدار، سب مل کر ایک مذہبی فضا پیدا کرتے ہیں۔ رسدگاہیں بخارات صبوحی میں غائب معلوم ہوتی ہیں اور اوپر کے کمرے بادلوں سے بھی بلند اور پھر عمیق، شفاف تالابوں کی سطح پر آسمانی نیلے رنگ کے کنول گھرے سُرخ رنگ کے "کنک" پھولوں کے ساتھ آپس میں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد" امرا کے کنج" کا سایہ مزید براں۔ بیرونی جانب پجاریوں کی رہائش کے کمرے جو منزلہ ہیں۔ ہر منزل سانپ کی شکل کی۔ رنگین گپھا۔ موتیوں کی مانند سُرخ چمکدار نقش و نگار کئے ہوئے آراستہ ستون، نہایت مزین کٹہرے اور چھتیں ایسی اینٹوں سے سقف جو رات میں ہزاروں رنگ میں منعکس ہوتی ہیں۔ یہ چیزیں منظر کی خوبصورتی میں حد درجہ اضافہ کرتی ہیں"۔

ایسی خوبصورت اور صنعتی فضا میں طلبہ نلندہ میں تربیت پاتے تھے لیکن جہاں پہلے بھی دیدہ زیب عمارتیں تھیں اب وہاں پتھر مٹی کے ڈھیر ہیں۔ حال میں تخفر کے ذریعہ نہایت اعلیٰ پیمانہ کے سنگ تراشی کے نمونے اور ایسی عمدہ قسم اور ساخت کی اینٹیں دریافت ہوئی ہیں جو آپس میں ایسی مضبوطی سے جُڑی ہوئی ہیں کہ اکثر جگہ ان کے درمیانی جوڑ قطعی طور پر معلوم نہیں ہوئے۔

دس ہزار طالب علم "شامن ہیون لی" کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ نلندہ میں معلمین و متعلمین کی مجموعی تعداد دس ہزار تھی۔ ایک ہزار آدمی ایسے تھے جو راتر اور شاستر کے بیس

مجموعوں کی تفہیم کرسکتے تھے۔ اور پانچ سو ایسے جو تیس مجموعوں کی اور غالباً دس پروفیسر ایسے تھے جو پچاس مجموعوں کی تفہیم کرسکتے تھے۔ دیول میں مواعظ و تلقین کے واسطے ہر روز تقریباً سو منبروں کا انتظام کیا جاتا تھا اور طلبہ منٹ بھر دیر کئے بغیر بلا ناغہ برابر ان مواعظ میں شریک رہتے۔ جدید اصطلاح میں غالباً اس کے یہ معنی ہوئے کہ روزانہ سو پروفیسر طلبہ کی مختلف جماعتوں کو لکچر دیتے تھے۔ ہیون سانگ اور ہیون لی دونوں نلندہ کے اساتذہ کی علمیت و قابلیت کا اعتراف کرتے ہیں "کئی ہزار پجاری اعلیٰ قابلیت و ذہانت کے اشخاص ہیں۔ موجودہ زمانہ میں ان کی فوقیت اعلیٰ درجہ کی ہے اور کئی سو ایسے ہیں جن کی شہرت دور دراز ممالک میں نہایت سرعت سے پھیل گئی ہے۔ ان کا چال چلن بے لوث اور ناقابل الزام ہے وہ قانون اخلاق کی نہایت صدق دل سے پیروی کرتے ہیں۔ اس خانقاہ کے قواعد بہت سخت ہیں اور تمام پجاریوں پر ان کی پابندی لازمی ہے۔"

ان معلمین میں سب سے قبل کا "اچاریہ اریہ دیو" تھا جو تارا ناتھ کے مطابق چندر گپت وکرما دتیا کا ہم عصر تھا۔ جب ہیون سانگ نلندہ میں زیر تعلیم تھا تو دیول مہنت اچاریہ سلابھدرا تھا۔ جو خود دھرم پال اپنے پیش رو کا شاگرد تھا۔ اچاریہ سلابھادرا، ساماٹا ناکے راجہ کا بیٹا تھا (مشرقی بنگال) جو ذات کا برہمن تھا۔ دوسرے معلمین نے جنھوں نے نلندہ میں کبھی کبھی درس دیا ان کے اسمائے گرامی کا بھی ذکر آیا ہے۔ طب اور نجوم پر مشہور اہل قلم ناگا ارجن۔ اسوگھوش بدھ چرتر کا مصنف۔ اور دیگر حضرات علماء و فضلا کی صف کے نہایت روشن ستارے ہیں۔

نلندہ کے چند پروفیسر روشنیٔ علم اور بدھ کا پیغام تبت وغیرہ دیگر ممالک میں ساتویں صدی کے بعد سے برابر پہنچاتے رہے۔ سن تا۔ اکشن تا۔ پدم نسو بھاؤ۔ اور کمل سیلا کو۔ کھری سرلن دن سان تبت کے بادشاہ نے نلندہ سے مدعو کیا۔ ان اچاریوں نے ۷۴۹ء بمقام شامی میں ایک بودھی صومعہ کی بنا ڈالنے اور اس کے افتتاح کرنے میں مدد دی۔ نلندہ کے بعض پروفیسروں نے صدہا رسالے اور شرحیں لکھیں

اس صومعہ کی بڑی آبادی کے فائدہ کے واسطے صومعہ سے ملحقہ معافی کی زمینات وقف تھیں تقریباً سو دیہات یہاں کے باشندوں کو بطور دان حاصل ہوئے تھے مزید براں ان دیہاتیوں کے لوگ باری باری سے روز سینکڑوں سیر چاول مکھن اور دودھ صدر رسد ادا کرتے تھے۔ اس طرح صومعہ میں اس افراط سے ذخیرہ فراہم ہونے کی وجہ سے معلمین و متعلمین کو یکساں طور پر کسی قسم کا تردد کپڑوں، اجناس، خوراک، بستر اور ادویہ کی فراہمی کے واسطے نہیں کرنا پڑتا تھا۔ اور مادی ضروریات سے بالاتر ہو کر وہ اپنے آپ کو حصول علم اور مذہبی اشغال میں ہمہ تن غرق کر دیتے تھے۔

قواعد داخلہ کی سختی نلندہ کی خانقاہ کے قواعد نہایت سخت تھے، حصول داخلہ کے قبل قدیم وجدید تمام کتب کا بغور مطالعہ لازم تھا جو شخص پاٹ شالہ میں داخلہ چاہتا اُسے پہلے اپنی عام قابلیت کے متعلق دوار پنڈت کو مطمئن کرنا ہوتا تھا۔ "ناکام رہنے والوں کا مقابلہ اگر ان سے کیا جائے جو کامیاب ہوتے ہیں تو سات آٹھ اور دس کا تناسب ہے"۔ ان ودیا تھیوں کا بھی جو اس سخت آزمائش میں کامیاب نکلتے ہیں مجلس میں عاجز و خفیف ہونا لازمی تھا۔ پروفیسر سماددار نے اس آزمائش کا مقابلہ ہماری موجودہ جامعات کے امتحان میٹریکیولیشن سے کیا ہے۔ چینی سیاح خانقاہ میں طریقۂ تعلیم اور نصاب کی ہمیں صرف ایک جھلک دکھاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "دن اس بات کے لئے کافی نہیں ہوتا کہ سوال وجواب کئے جائیں۔ دن نکلنے سے لے کر رات گئے تک وہ بحث ومباحث میں مشغول رہتے ہیں۔ ضعیف و نوعمر آپس میں ایک دوسرے کی امداد کرتے ہیں"۔

خانقاہ میں وقت کی تنظیم پن گھڑی سے ہوتی تھی اور گھنٹہ بجانے والا کرم دان کہلاتا تھا۔ طریقۂ تعلیم زیادہ تر زبانی تھا۔ بدھ مت کے اٹھارہ فرقوں کی تمام کتابیں فی الحقیقت پڑھائی جاتی تھیں۔ لیکن ہیون کی کا قول ہے کہ معمولی تصنیفات بھی مثلاً وید اور دوسری کتابیں ہیتو ودیا (منطق) شبد ودیا (صرف و نحو) چکتسا ودیا (طب) کتب علم نجوم (اتھرو وید) سانکھیا اور دیگر مختلف کتب کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔

یہاں کا نصاب تعلیم اس قدر وسیع اور جامع نہیں معلوم ہوتا جس قدر ٹکشلا کا۔ لیکن علوم و فنون کے ان مرکزوں میں ایک خاص وجہ اختلاف ہمیشہ زیر غور رکھنی چاہیے۔ خانقاہ نلندہ

صرف ایک ہی مختصر سی تعلیم گاہ راست اچاریہ کی زیر نگرانی تھی جو تھوڑا بہت موجودہ جامعات کے چان سلر سے مشابہ کہا جا سکتا ہے۔ اس طرح اس تعلیم گاہ کے لئے لفظ "جامعہ" مناسب طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن برخلاف اس کے تکش سیلا تعلیم کا ایسا مرکز تھا جہاں متعدد ممالک غیر کو تہذیب تشنگی کے وفود خانقاہیں ایک دوسرے سے الگ مختلف انتظام کے تحت تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ظاہرا طور پر آپسمیں کوئی اتحاد و مساوات نہ تھی لیکن فی الحقیقت ان تمام کے ایک ہی جگہ قیام کے نتیجہ کے طور کچھ نہ کچھ باہمی اتحاد و مساوات ضرور رہا ہوگا۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے تکش سیلا بدھ مت کے زمانۂ آغاز میں تھی جب اس میں کوئی مرکزی تنظیم نہ تھی، اشوک نے اس غیر منظم اور قابل نظر انداز مجمع کو مرکزی اور مستحکم کلیسا کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ مزید براں مگدھ کے سیاسی استحکام نے بھی اس عجیب غریب جامعہ کے واسطے مرکزی اور مشترک انتظام کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔

اس پاٹ شالہ کی قدرتی طور پر بہت شہرت تھی۔ ہیون سیانگ کے بیان سے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ چند اشخاص نے اپنے کو نلندہ کا ودیارتھی ظاہر کیا اور اس کے بدلہ میں بہت عزت پائی۔ صدیوں نلندہ کے ودوان اور اپدیشک ایشیا کے مختلف ملکوں کو جاتے رہے۔ ان ہی اپدیشکوں کے ذریعہ ہندی علوم و فنون، فلسفہ اور تہذیب ایشیا کے طول و عرض میں پھیل گئے۔ بودھ مت ایشیا میں سب سے بڑی متمدنہ قوت رہی ہے۔ رادھا کمار مکرجی کا قول ہے کہ "فاہیان اور ہیون سانگ کے مانند چینی علما کے ہندوستان کے جاترہ کے لئے وارد ہونے سے اس خراج کا ثبوت ملتا ہے جو چین نے ہندوستانی تخیل اور تمدن کو ادا کیا ہے۔ اور جس نے اپنا اثر بیرون احاطۂ ہند دور دراز ممالک میں بھی جن کو اس وقت کے ہند عظیم کے اجزا تصور کرنا نامناسب نہیں دکھایا ہے"۔

اس طرح نلندہ کو آریہ قوم کی نہایت وسیع اور مستحکم تعلیمی مہم تصور کرنا چاہیئے۔ ہمیں یقینی طور پر معلوم نہیں کہ اپنے اس قابل فخر رتبہ سے نلندہ کا تنزل کب ہوا۔ آئی سنگھ کے زمانہ میں جو ہندوستان میں ۶۷۳ء سے ۶۸۵ء ب۔ م تک قیام پذیر رہا۔ یہ نہایت آباد حالت میں تھا۔ اس مشہور و معروف جامعہ میں آئی سنگھ دس سال تک تعلیم پاتا رہا۔ اس کے مطابق نلندہ میں رہنے والوں کی تعداد

تین ہزار سے متجاوز تھی۔ اس میں آٹھ بڑے اور تین سو چھوٹے کمرے تھے اور اس کی مقبوضہ زمینات دو سو دیہات سے زائد پر مشتمل تھیں۔

کتب خانہ | یہاں کتابوں کا بڑا ذخیرہ نہایت کشادہ عمارت میں جسے دھرم گنج کہتے تھے موجود تھا۔ اس کے تین حصے تھے جنھیں رتن ساگر رتنو دوہی اور رتن رنجک کہتے تھے۔ ان میں سے دوسری عمارت نومنزلہ تھی جس میں تمام کل مقدس کتابیں موجود تھیں۔ آئی سنگ کے بیان سے غالباً ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے اور ہیون سانگ کے معائنہ کے درمیان مختصر وقت میں گو کہ قیام پذیر رو کی تعداد دس ہزار سے گر کر صرف تین ہزار رہ گئی تھی۔ گذر اوقات کے لئے وقف شدہ دیہاتوں کی تعداد دوگنی ہوگئی تھی۔ اس تنزل کے متعدد اسباب ہوئے ہونگے۔ ممکن ہے ایک سبب تقریباً ۰۰۰ ب۔ م میں مدمقابل کی جامعہ وکرم نیلا کا قیام ہوا۔ ڈاکٹر ہر پرشاد شاستری کا خیال ہے کہ دسویں اور گیارھویں صدی میں بھی نلندہ کا جامعہ وکرم سیلا سے زبردست مقابلہ تھا۔

ڈاکٹر کیلو کر کی رائے ہے کہ نلندہ کی عظمت نویں صدی کے نصف اخیر سے مفقود ہوگئی تھی۔

ترتیب اشارات کی نسبت چند ہدایات

تیاری اسباق اور ترتیب اشارات کی اہمیت غالباً ہر مدرس پر روشن ہے۔ ہر مدرس جانتا ہے کہ بغیر تیاری اسباق کے کسی کو تدریس میں کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی مدرس کو یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ اس کا سبق طلبہ کے دلوں پر بلحاظ تربیت جسمانی۔ دماغی و اخلاقی موثر بھی ہو۔ اس غرض سے اپنے خیالات کو قلم بند کرنا ضروری سمجھا گیا ہے۔ لہذا ترتیب اشارات تضیع اوقات نہیں ہوسکتے۔ اس سے تعلیم میں سہولت پیدا ہوتی ہے۔

رگبی پبلک سکول کے تجربہ کار اور مشہور صدر مدرس ڈاکٹر آرنالڈ Dr. Arnold

اپنے متوقعہ کام کے اشارات روزانہ تیار کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے اُن سے وجہ دریافت کی تو کہنے لگے "میں اپنے طلبہ کو ہمیشہ بہتے دریا کا پانی پلاتا ہوں نہ کہ گدلے تالاب کا بند پانی"

جدید معلومات کے لحاظ سے ڈاکٹر آرنالڈ صاحب کو ہمیشہ اشارات تازہ کرنیکی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ تیار کئے ہوئے اشارات ہمیشہ کام نہیں دے سکتے بلحاظ حالات جسمانی و دماغی بچوں کو تعلیم دینے میں ایک ہی طریقہ مفید و کارگر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ وقتاً فوقتاً ترتیب اشارات میں ترمیم و تجدید ہوتی رہے۔

ترتیب اشارات پر یہاں تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں ہے ظاہر ہے کہ مدرس جس کو روزانہ تقریباً پانچ گھنٹے پڑھانے کا کام کرنا پڑتا ہے تمام اسباق کے تفصیلی اشارات تیار نہیں کر سکتا۔ اس کو طلبہ کے گھر کے کام کی جانچ نہایت احتیاط کے ساتھ کرنی پڑتی ہے اور یہ کام اکثر مکان میں ہی کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ مدرسہ میں پڑھائی اور تنقیح بیاضات دونوں فرائض ایک ہی وقت میں نہیں انجام دئے جا سکتے اور یہ خلاف اصول بھی ہے۔ نامکمل جانچ کا اثر بچوں کے حق میں مضر ہوتا ہے اس لئے تمام اسباق کے تفصیلی اشارات تیار کرنے کے لئے اس کو وقت بھی کم ملتا ہے اور اس کام پر مجبور کرنا گویا مدرس پر بیجا بار ڈالنا ہے۔ بعض وقت تو ایک مدرس کو وقتِ واحد میں دو دو جماعتوں کو تعلیم دینی پڑتی ہے اس لئے اس کو پانچ سے زیادہ اسباق کے اشارات تیار کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے

تاہم اسباق کی تیاری کرنا مدرس کا فرض اول ہے۔ بغیر تیاری کے اس کی تعلیم نو نہیں ہو سکتی۔ لہذا میری رائے میں مدرس روزانہ کسی ایک سبق کے مکمل اشارات تیار کرے تاکہ ترتیب اشارات کی عادت قائم رہے اور تعلیمی اصول مدنظر رہیں۔ اور بلحاظ موقع و سہولت وہ اپنے باقی اسباق کے اشارات مختصر طور پر تیار کرے تاکہ کام میں خامی واقع نہ ہونے پائے۔

اس کو چاہئے کہ مختصر اشارات کے لئے ایک چھوٹی سی بیاض تیار کرے۔ اس میں ہر روز کے مختصر اشارات درج کئے جائیں۔ اُن اشارات میں اسباق کا پورا مضمون لکھنے کی ضرورت نہیں

نیز استاد کے کام کی تفصیل ضروری نہیں۔ مختصر اشارات میں صرف اس بات کا اظہار کیا جائے جو بذریعہ سوال مشاہدہ۔ تجربہ یا بیان بچوں سے استخراج کرانی ہے۔ بیاض کے ایک ورق پر مدرس اپنا روزنامچہ لکھے جس سے اس کی تعلیم و تدریس اور نکتہ چینی ظاہر ہو۔ نکتہ چینی سبق کے اختتام پر نوٹ بک میں درج کرنی ہوگی تاکہ وہ آئندہ کے لئے کام آئے اور اُس کے محاذی دوسرے ورق پر استاد کے مقاصد ظاہر ہوں کہ وہ اُس روز کیا کرنا چاہتا ہے۔ ہر صورت میں گھر کے کام (ہوم ورک) کی مقدار اور اس کی جانچ کا طریقہ درج ہونا چاہیئے۔ دوسرے روز کے لئے دیا ہوا ہوم ورک اول روز کے روزنامچہ میں ظاہر کیا جائے۔

نمونتًا ایک روزنامچہ مع مختصر اشارات ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

نام مدرس۔ زید

تاریخ ۲۵ شہریور ۱۳۳۶ف

مختصر اشارات	روزنامچہ مع نکتہ چینی
	جماعت مڈل سوم (وسطانیہ انگریزی)
	بنگال ریڈر نمبر ۴ صفحہ ۱۲ نظم
(۱) ہوم ورک (گھر کے کام) کی جانچ	(۱) الفاظ کی بیاضات نہایت بے ترتیب پائی گئیں۔
(۲) الفاظ کی بیاض کی تنقیح	(۲) بکر سست ہوتا جارہا ہے اس کو تنبیہ کرنے کی ضرورت ہے۔
(۳) خوش خوانی و تشریح	(۳) رامچندر کے انگریزی تلفظ بالکل خراب ہیں
(۴) ترجمہ انگریزی سے اردو یا مرہٹی میں	(۴) ۲۶ شہریور کے لئے ہوم ورک نظم کا مطلب اردو یا مرہٹی میں تحریری بیان کرنا۔

۲

جماعت فارم اول (وسطانیہ اول)

جغرافیہ

(۱) مطبوعہ نقشہ کی مدد سے دیکھکر ریاست حیدرآباد کا نقشہ کھینچنا (صرف خاکہ)

(۱) چند طلبہ کے پاس نقشہ کشی کے لئے اچھا کاغذ نہیں تھا۔

(۲) بغیر دیکھنے کے اسی نقشہ کا خاکہ کھینچنا

(۲) غیر ضروری خطوط مٹانے کے لئے ربر کی ضرورت محسوس کرائی گئی۔ ایک دو طلبہ بالکل غلیظ تھے لعاب دہن لگا کر لکیر مٹانے کی کوشش کرتے تھے جس سے وہ زیادہ بدنما معلوم ہوتا تھا۔

(۳) بذریعہ سوال وجواب خاکہ مذکور میں مقامات مشہور کی خانہ پری کرنا۔

(۳) ۲۹ شہر یور کے لئے ہوم ورک۔ ضلع اورنگ آباد کا نقشہ کھینچنا اور اس میں تعلقات نمایاں ظاہر کرنا۔

جماعت چہارم

حساب

(۱) گھر کے کام کی جانچ

(۱) عمر کے حسابی جوابات (ہوم ورک) کا عمل ٹھیک نہیں تھا۔ صرف ہندسوں سے کام لیا گیا تھا۔ واضح طور پر عمل کا بیان نہیں تھا عمل لکھنے کا طریقہ جماعت کو بتلایا گیا۔

(۲) تناسب کے قواعد سمجھانا اطراف کا حاصل ضرب = اوساط کا حاصل ضرب

(۲) کسی جلوس کی وجہ سے ضبط میں خلل پیدا ہوا۔

(۳) تناسب کے اصول پر ابتدائی آسان مشقی سوالات کو حل کرنا صفحہ ۷۵ سوالات ۱ تا ۵

(۳) ۲۶ شہر یور کے لئے گھر کا کام مشق۔ دو سوالات جو تختہ سیاہ پر لکھے ہوئے تھے۔

اوپر بیان کیا گیا ہے کہ ہر مدرس کو روزانہ کسی ایک سبق پر مکمل اشارات تیار کرنے چاہئیں۔ اور یہ مکمل اشارات علٰحدہ بیاض میں درج کئے جائیں تاکہ وہ بعض وقت کسی اجلاس تعلیمی کے موقعہ پر پیش کئے جاسکیں۔ مکمل اشارات تیار کرنے کے لئے بھی مضمون کے لحاظ سے ہفتہ کے خاص خاص دن بالتقرر کئے جائیں مثلاً شنبہ کے روز زبان (ادب) کے سبق پر۔ یک شنبہ کو حسابی سبق پر۔ دوشنبہ کے روز جغرافیہ کے اسباق پر۔ سہ شنبہ کے روز مطالعہ قدرت پر۔ علیٰ ہذا مکمل اشارات لکھے جائیں۔

اُستاد کے تیار کردہ اشارات اور بچوں کے تنقیح شدہ گھر کے کام پر صدر مدرس وقتاً فوقتاً نظر ڈالتا رہے تاکہ اسکو مددگاروں کے کام کی طرف سے اطمینان رہے۔ مدرسین بھی ہمیشہ اپنا کام احتیاط سے کریں بعض وقت دوران سبق میں بھی صدر مدرس مدرسین اور طلبہ دونوں کے کام کا معائنہ کرتا رہے اور حسب ضرورت ان کو ہدایات دیا کرے تاکہ اُن کے نقائص دُور ہوں اور بہتر طریقہ اختیار کرنے کی ترغیب ہو۔ ناتجربہ کار اُستاد کو سدھارنے کے لحاظ سے صدر مدرس خود بوقت ضرورت کسی ایک سبق پر مکمل اشارات تیار کرکے مدرس مذکور کی جماعت کو نمونہ کا سبق دے۔ ہر مدرس کو روزانہ مختصر اشارات لکھنے پر اور ایک سبق پر مکمل اشارات تیار کرنے پر مجبور کرے اور ساتھ ہی ان کے کام کی نگرانی کرتا رہے اور ایسے ہدایات سے مستفید کرے جس سے معلم اور متعلم دونوں کو فائدہ پہنچے۔

پودوں کا نشاستہ تیار کرنا

پودے جڑوں کے ذریعہ صرف پانی میں تحلیل شدہ معدنی اشیاء حاصل کرتے ہیں جو مٹی میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن پودوں کے بافتہ کے کیمیائی اجزاء کے طرف غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک اہم جز بالعموم نشاستہ بھی ہے۔

اب ہم کو یہ تحقیق کرنا ہے کہ یہ نشاستہ کس طرح تیار ہوتا ہے۔ نشاستہ تیار ہونے کے عمل پر غور کرنے کے قبل ہم کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ نشاستہ کی پہچان کیا ہے۔

نشاستہ کی پہچان | تھوڑا نشاستہ لیکر پانی میں ملا دو Potassium Iodide میں تحلیل شدہ Iodine کے دو چار قطرے ڈالو۔ نشاستہ کا رنگ نیلا ہو جائیگا۔ معلوم کرو کہ آلو، سیم کا بیج، کھریا اور سوڈا میں سے کن کن میں نشاستہ ہے۔

مذکورہ بالا طریقہ سے معلوم ہو جائیگا کہ آلو اور سیم کے بیج میں نشاستہ ہے مگر کھریا اور سوڈے میں نہیں ہے۔ پس اس طریقہ سے نشاستہ کی موجودگی و عدم موجوگی ظاہر ہوگی۔

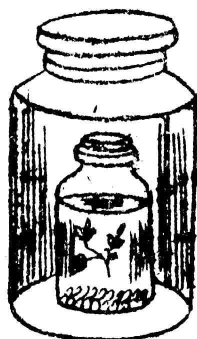
سبز پتی میں نشاستہ کی تلاش | سبز پتی میں نشاستہ کی تحقیق کرنے میں یہ دقت پیش آتی ہے کہ پتے کا سبز رنگ نشاستہ پر Iodine کے اثر کو ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ اس لئے پہلے اس سبز مادہ خضرہ کو نکالدینا چاہیئے اور بعد ازیں نشاستہ کی جانچ کی جائے اس مقصد کے لئے ایسی مائع ہونی چاہیئے جو خضرہ کو حل کرلیگا۔ مگر اس کا اثر نشاستہ پر کچھ نہ ہو۔ تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ خضرہ alcohal میں حل ہو جاتا ہے۔ خضرہ کو خارج کرنے کے لئے مندرجہ ذیل طریقہ اختیار کیا جاتا ہے:۔

دھوپ میں سے ایک سبز پتہ توڑ لو۔ پہلے پتہ کو پانی میں جوش دو۔ ایسا کرنے سے پتہ میں سے ہوا خارج ہو جاتی ہے۔ اب پتہ کو شراب alcohal میں جوش دو۔ تھوڑی دیر میں خضرہ شراب میں حل ہو جاتا ہے۔ اس پتہ کو پانی سے صاف کرو اور اس کے اوپر Iodine کے کچھ قطرے ڈالدو۔ چند منٹ بعد پانی سے پھر دھو ڈالو۔ پتی کا رنگ نیلا پڑ جاتا ہے اس سے یہ ثابت ہوا کہ سبز پتی میں جو دھوپ میں سے توڑی گئی تھی نشاستہ موجود رہتا ہے۔

نشاستہ تیار کرنے میں روشنی کا کیا اثر پڑتا ہے؟ | اُگتے ہوئے پودے کی ایک پتی کو کاغذ سے بالکل ڈھکدو۔ دوسری پتی کو بھی اسی طرح ڈھکدو۔ مگر اس پتی کو ڈھکنے والے کاغذ کے مرکزی حصہ پر سوراخ کردو۔ تاکہ پتی کے مرکزی دونوں سطح کا حصہ کھلا رہے۔ پس ایک پتی پر روشنی مطلق نہ پڑیگی اور دوسری پتی بجز مرکزی حصہ کے روشنی سے محروم رہیگی۔ ان دونوں پتیوں کو دو روز اسی طرح رہنے دو۔ تیسرے دن شام کو ان کو توڑ لو ان میں نشاستہ کی جانچ کرو۔ تم کو

معلوم ہوگا کہ جو پتی پورے طور سے ڈھکی ہوئی تھی اس میں نشاستہ مطلق نہیں پایا جاتا۔ دوسرے پتی کے صرف اس حصہ میں نشاستہ کی موجودگی کا ثبوت ملتا ہے جس پر روشنی پڑ رہی تھی اس تجربہ سے نتیجہ نکلتا ہے کہ نشاستہ کے تیار کرنے میں روشنی کا وجود لازمی ہے۔

نشاستہ کے تیار کرنے میں روشنی کی ضرورت تو ثابت ہوچکی مگر روشنی کی شعاعیں سات رنگ سے مرکب ہیں اس لئے اب ہم کو یہ دریافت کرنا چاہیئے کہ کس رنگ کی شعاعیں نشاستہ تیار کرنے میں زیادہ کارآمد ہیں۔



اس تجربہ کے لئے دو حل تیار کرنے پڑینگے ایک نیلا اور دوسرا سُرخ۔ نیلا تھوتھا Copper sulphate کے حل میں امونیا Ammonia ڈالو پہلے تلچھٹ نظر آتا ہے تلچھٹ کے بعد ذرا ذرا امونیا Ammonia ڈالنے سے نیلا حل تیار ہو جاتا ہے۔

سُرخ رنگ تیار کرنے کے لئے Potassium dichromate کو پانی میں حل کرتے ہیں۔

پانی کے پودوں کو (مثلاً سنگھاڑا) اندھیرے میں رکھدو۔ تاکہ ان میں نشاستہ باقی نہ رہے نشاستہ سے محروم پودوں کو دو شیشیوں میں پانی ڈال کر علحدہ علحدہ رکھدو۔ شیشیوں میں مضبوط

ڈاٹ لگا دو۔ دو بڑے ظروف میں رنگین حل بھر دو اور چھوٹی شیشیوں کو جن میں پانی کے پودے ہیں ان میں رکھ کر سبھوں کو روشنی میں رہنے دو۔ کچھ عرصہ کے بعد ان دونوں شیشیوں کے پودوں میں نشاستہ کی جانچ کرو۔ معلوم ہوگا کہ سرخ شعاعیں جذب کرنے والے پودوں میں نشاستہ تیار ہوا ہے۔ اور نیلی شعاعیں پڑنے والے پودے میں بہت کم یعنے سرخ رنگ کی شعاعیں نشاستہ تیار کرنے میں زیادہ کارآمد ہیں۔

خضرہ کا اثر ایسا پودا منتخب کرو جس کی پتیوں کا کچھ حصہ سبز اور کچھ سفید ہو۔ ایک پتی توڑ لو۔ اور اس کا خاکہ تیار کرو۔ خاکہ میں سبز اور سفید حصوں کو ظاہر کرو۔ اسی پتی میں نشاستہ کی جانچ کرو۔ [illegible] ڈالنے سے نیلا رنگ صرف ان حصوں میں نظر آتا ہے جہاں پر پتی سبز تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خضرہ کی موجودگی میں نشاستہ تیار ہوتا ہے۔

ہوا کی ضرورت نسٹورشیم Nasturtium کو تاریکی میں رکھ دو حتیٰ کہ اس کی پتیوں میں نشاستہ باقی نہ رہے۔ تین پتیوں پر Vaseline لگا دو ایک کی صرف اوپری سطح پر دوسرے کی نچلی سطح پر اور تیسرے کی دونوں سطح پر۔ پودے کو روشنی میں رکھ دو کچھ عرصہ کے بعد ان تینوں میں نشاستہ کی جانچ کرو۔

Io-dine سے جانچنے کے قبل Vaseline لگانا لازمی ہے اس لئے پتیوں کو Petrol xylol میں رکھ دیتے ہیں جس کی وجہ سے Vaseline حل ہو کر نکل جاتی ہے۔

نشاستہ ان تینوں پتیوں میں سے اس پتی میں زیادہ پایا جاتا ہے جس کی اوپری سطح پر Vaseline لگائی گئی تھی۔ جس کی نچلی سطح پر Vaseline لگائی گئی تھی اس میں بہت کم اور جس کی دونوں سطح پر Vaseline لگائی گئی تھی اس میں مطلق نشاستہ نہیں پایا جاتا۔ اس تجربہ سے نتیجہ نکلتا ہے کہ ہوا کی عدم موجودگی میں نشاستہ تیار نہیں ہو سکتا

نشاستہ کے تیار کرنے کے متعلق ابھی تک تین نتائج اخذ ہوئے ہیں۔

(۱) تاریکی میں نشاستہ تیار نہیں ہو سکتا۔

(۲) خضرہ کی عدم موجودگی میں تیار نہیں ہو سکتا۔

(۳) ہوا کی عدم موجودگی میں تیار نہیں ہو سکتا۔

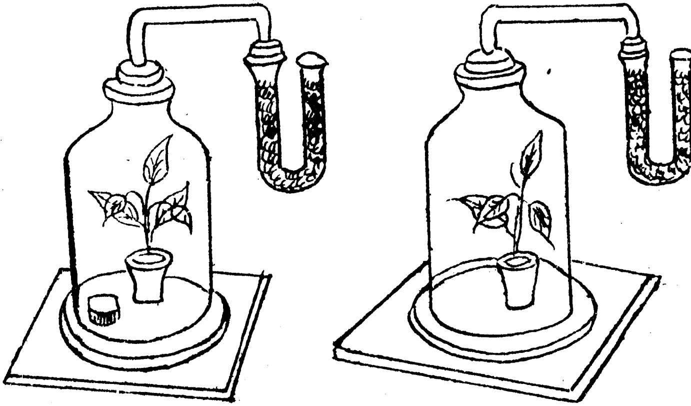
نشاستہ تین عناصر کاربن۔ ہیڈروجن اور آکسیجن کا مرکب ہے۔ پانی ہیڈروجن اور آکسیجن کا مرکب ہے۔ لہذا ہیڈروجن اور آکسیجن کا جز جڑوں کے ذریعہ مہیا ہوتا ہے لیکن culture solution کے استعمال سے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ پودے کاربن جڑوں کے ذریعہ مٹی سے حاصل نہیں کرتے۔ اس کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ پودے کاربن ہوا سے ہی حاصل کرتے ہیں۔

ہوا میں آکسیجن۔ نائیٹروجن کاربانک ایسڈ گیس اور بخارات آبی موجود ہیں اس میں کاربن مہیا کرنے والی اگر کوئی چیز ہو سکتی ہے تو وہ کاربانک ایسڈ گیس ہے جو کاربن اور آکسیجن سے مرکب ہے۔

اب ہم ایک ایسا تجربہ بیان کرتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کاربانک ایسڈ گیس کی عدم موجودگی میں نشاستہ تیار نہیں ہو سکتا۔

دو گملے پودوں کے تاریکی میں رکھدو۔ حتیٰ کہ نشاستہ بالکل باقی نہ رہے۔ ان کو اب روشنی میں رکھ دو اور دو بڑے بڑے فانوس ان کے اوپر ڈھک دو۔ ہر ایک فانوس میں ایک ڈاٹ لگا دو۔ اور ڈاٹ میں کانچ کی دو نلیاں لگا دو۔ جو زاویہ قائمہ پر دونوں طرف جھکی ہوئی ہوں۔ ان دونوں نلیوں کو دوسرے کنارے پر لانٹی علحدہ علحدہ لگا دو ایک فانوس کی لانٹی میں Soda lime بھر دو۔ اور فانوس کے اندر رکابی میں caustic potash کا حل رکھدو۔ caustic potash فانوس کے اندر کی کاربانک ایسڈ گیس کو جذب کرلیتا ہے اور Soda lime باہر سے داخل ہونے والی ہوا کی کاربانک ایسڈ گیس کو جذب کرلیتا ہے۔ پس یہ پودا کاربانک ایسڈ گیس سے

محروم رہتا ہے



دوسرے فانوس کے اندر Caustic Potash نہیں رکھتے اور لائی میں soda-lime کی عوض Pumice کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے رکھدیتے ہیں۔ایک ہفتہ تک ہر شام کو دونوں پودوں میں سے ایک ایک پتی توڑی جاتی ہے اور methylated spirit کی بوتل میں علیحدہ علیحدہ رکھدی جاتی ہیں ہفتہ کے اختتام پر نشاستہ کی جانچ کی جاتی ہے ۔ کاربانک ایسڈ سے محروم پودے کی پتیوں میں نشاستہ نہیں پایا جاتا۔ دوسرے پودے کی پتیوں میں نشاستہ کی مقدار ہر روز بڑھتی رہتی ہے ۔
لہذا یہ ثابت ہوا کہ کاربانک ایسڈ گیس کا ہونا نشاستہ تیار کرنے کے لئے لازمی ہے ۔
مذکورہ بالا تجربہ کی بنا پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سبز پودا روشنی کی مدد سے کاربانک ایسڈ گیس کو حاصل کرتا ہے اور اس سے نشاستہ تیار کرلیتا ہے ۔
مختصراً ہم پتہ کو باورچی خانہ تصور کرسکتے ہیں۔خضرہ کے سبز دانے باورچی سورج کی

روشنی آگ، اور مسامات باورچی خانہ کے دروازے ہیں۔ جن کے ذریعہ کاربانک ایسڈ گیس داخل اور آکسیجن خارج ہوتی ہے۔ رنگین پانی کے نل ہیں۔ نشاستہ کھانا ہے جو کاربانک ایسڈ گیس اور پانی سے تیار کیا جاتا ہے۔

تمام دن باورچی خانہ میں کھانا تیار ہوتا رہتا ہے۔ رات کے وقت کھانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

حال ہی میں Dr. William Crocker نے ایک بڑا دلچسپ تجربہ پودوں کے نشاستہ تیار کرنے کے عمل پر کیا ہے۔ آپ نے اس بات کی مکمل تحقیق کی ہے کہ سورج کی روشنی سے کام چل سکتا ہے اور پودوں کے لئے یہ مصنوعی آفتاب کس حد تک مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

صاحب موصوف بیان کرتے ہیں کہ اس غرض سے آپ کے Institute میں ایک بڑا فولادی ڈھانچا تیار کیا گیا ہے جس میں ۴۸ بجلی کے لیمپ لگے ہوئے ہیں ہر لیمپ مکانوں کے معمولی لیمپ سے ۱۵ یا ۲۰ گنا زیادہ روشنی دیتا ہے۔

طبعی جانچ physical Tests سے دریافت کیا گیا ہے کہ یہ روشنی جو ۲۰۰ مکانوں کو روشن کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ سورج کی قدرتی روشنی کے مساوی ہے۔

یہ فولادی ڈھانچہ جس میں مصنوعی آفتاب روشن رہتا ہے ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہو سکتا ہے تاکہ اس کی روشنی منتخبہ green houses پر پڑ سکے۔

قدرتی آفتاب غروب ہونے کے بعد جب مصنوعی آفتاب روشن کر دیا جاتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا آفتاب آسمان میں ٹھیر گیا ہے۔

اگر یہ مصنوعی آفتاب اپنی روشنی سے مغرب کے بعد کے پودوں کو کچھ گھنٹے فیضیاب کرے تو پودے اچھی طرح بڑھتے ہیں۔ کیونکہ زائد روشنی کی وجہ سے زیادہ کاربانک ایسڈ گیس حاصل کر کے زائد نشاستہ تیار کر لیتے ہیں۔

پودے جاندار ہیں اور مثل انسان کے دن کی سخت محنت و مشقت کے بعد ان کو بھی آرام کی ضرورت پڑتی ہے۔

جس طرح انسان کی زندگی کے لئے آرام کی ضرورت ہے اسی طرح پودوں کو بھی آرام کی ضرورت ہے۔

دُنیا میں ہر مرد۔ عورت و بچہ پودوں پر زندگی بسر کرتا ہے۔ کیونکہ جو کھانا ہم کھاتے ہیں۔ نباتات یا حیوانات سے ہی مہیا ہوتا ہے۔ مگر حیوانات بھی تو آخرش نباتات پر ہی بسر کرتے ہیں پس ہماری زندگی کا سامان نباتات ہی مہیا کرتے ہیں۔

Dr. Crocker فرماتے ہیں کہ chemists پودوں کے نشاستہ تیار کرنے کے بھید کو جاننے کی کوشش کر رہے ہیں مگر اس قدرتی کیمیائی عمل کا راز ابھی تک ان پر انکشاف نہیں ہوا ہے اور یہ اچھا ہی ہوا کہ انھوں نے اس مسئلہ میں کوئی کامیابی حاصل نہیں کی ورنہ بغیر کاشت کئے ہی کھانا تیار ہو سکتا تو انسان کو زراعت کرنے کی ضرورت نہ پڑتی اور دُنیا میں نباتات کا نام و نشان تک نہ رہتا۔

Dr. Crocker نے اس تجربہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ قدرتی اثرات کو امداد پہنچا کر ہم اچھے اور بہتر پودے اُگا سکتے ہیں جس کی ایک مثال مصنوعی آفتاب کے ذریعہ روشنی بہم پہنچانا ہے۔

تاریخ ہند پر ایک نظر

ممالک محروسہ سرکار عالی کے امتحان مڈل کے واسطے "تاریخ ہند" مولفہ سید ہاشمی صاحب رکن دار الترجمہ بطور نصاب مقرر ہے۔ کتاب کا حجم ۲۸۴ صفحات ہے اور سائز ۶" × ۸" ہے معمولی سی جلد بندی بھی پٹھے اور کاغذ کی ہوئی ہے۔ کاغذ اگرچہ چکنا نہیں تاہم صاف اور عمدہ ہے۔ انجمن ترقی اُردو کے ٹائپ پریس میں چھپی ہے۔

خصوصیات (۱) فاضل مؤلف نے اختصار بیان اور سلاست زبان کو ہر جگہ پیش نظر رکھا ہے۔

(۲) تقسیم ابواب میں بھی فاضل مؤلف نے عام تاریخ نویسوں کی تقلید نہیں کی جو کہ کتاب کے نصف سے کم حصہ میں تو ہندو اور مسلم عہد کے واقعات کو ختم کر دیتے ہیں اور باقی عہد انگریزی کے ذکر سے بھر دیتے ہیں۔ برخلاف اس کے مؤلف نے اس کتاب میں سب سے زیادہ صفحات عہد اسلامی کی نذر کئے ہیں اور واقعات کو تحقیق اور تدقیق سے لکھا ہے۔ ہندوؤں کے زمانہ کے حالات ۵۲ صفحات میں ختم ہوئے ہیں۔ اور بہت سا مواد جو مشکوک یا غیر متحقق تھا چھوڑ دیا ہے۔ عہد برطانی کے واقعات بقیہ ۸۰ صفحوں میں ختم کئے ہیں۔

(۳) روشن خیال مؤلف نے تحقیقات جدیدہ سے ہر جگہ استفادہ کیا ہے اور واقعات پر اپنی صائب رائے کا ہر جگہ اظہار بے باکانہ کیا ہے۔ مثلاً محمود کے متعلق یا اورنگ زیب کے متعلق بہت سی قدیم روایات جو مدارس کی مروجہ کتب تاریخ میں درج ہیں ترک کر دی ہیں اور بعض کی تردید کی ہے۔ مثلاً فردوسی اور محمود کا قصہ علاء الدین خلجی اور پدمنی کا قصہ

یہ ایسے واقعات ہیں جن سے منافرت ہندوؤں اور مسلمانوں میں یا ایک مذہب کے مختلف فرقوں میں پیدا ہو نے کے سوا اور کوئی فائدہ نہ تھا لیکن تعجب ہے کہ پروفیسر ولسن اور پنڈت جادوناتھ سرکار کی فیصلہ کن تحقیق و تردید کے باوجود بلیک ہول کا ذکر اب تک اس کتاب میں موجود ہے ۔

(۴) مؤلف نے اشوک اعظم ۔ اکبر اعظم ۔ عالمگیر اعظم اور لارڈ ولزلی کے عہد کے واقعات کو زیادہ وضاحت سے لکھا ہے ۔ اور حقیقت میں انہی حکمرانوں کے عہد کے واقعات تاریخ ہند کی جان ہیں ۔ محمود کی لوٹ مار ۔ اکبر کی ہوس ملک گیری کو بیان کرنے کے بعد لارڈ کلائیو اور وارن ہیسٹنگز کی عیاریوں اور رشوت ستانیوں کا ذکر کر کے ایسٹ انڈیا کمپنی کی معصومیت کا طلسم بھی خوب توڑا ہے ۔ لیکن جو ویسرائے حقیقت میں ملک ہند کے خیر خواہ ثابت ہوئے ہیں ۔ مثلاً کیننگ ۔ رپن ۔ ڈفرن ۔ ولیم بنٹنگ ۔ ان کے کارہائے نمایاں بھی آب و تاب سے بیان کئے ہیں ۔ اور عہد بعہد کی ترقیوں کو وضاحت سے دکھایا ہے ۔

(۵) صفحہ ۲۷۰ پر تمام وائسرایوں کی فہرست دی ہے جس سے غالباً یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ یہ سب ایک ہی مشین کے کل پرزے ہیں اور " درپس پردہ طوطی صفتم داشتہ اند " کے مصداق ہیں ۔ اور کسی کی شخصیت سے تاریخ ہند کے واقعات وابستہ نہیں ۔ ہر وائسرائے کا جب اس عہدہ پر تقرر ہوتا ہے تو اس کی دلی ہمدردی ہند اور اہل ہند کے شامل حال ہو جاتی ہے ۔ اب ضرورت ہے کہ کتاب کو ۱۹۱۱ء کے واقعات سے آگے بڑھا کر ہارڈنگ ۔ چیمسفورڈ ۔ ریڈنگ اور ارون کے عہد تک پہنچایا جائے اور اس عرصہ میں ملکی اور قومی تحریکات جو ملک میں جاری ہوئی ہیں مناسب طور پر ان کا ذکر بھی کیا جائے ۔

فروگذاشتیں | ہندوؤں کے زمانہ کی تاریخ کو پھر سے لکھنے کی ضرورت ہے ۔ کیونکہ اس زمانہ کے حالات کو سمجھنے کے لئے جن اصولی امور کی ضرورت ہے ان میں سے بعض ترک کر دئے گئے ہیں ۔ میرا مطلب ہندو کتابوں میں سرتی اور سمرتی کی تفریق ۔ ویدوں ۔ برہمنوں اور اپنیشدوں کے بعد پرانوں کی نمود ۔ جدید موحدانہ ہندو تحریکات مثلاً آریہ سماج ۔ برہمو سماج کے ظہور کا باعث ۔ ان سے اسلام

اور عیسائیت کا تعلق - یہاں ضرورت اس امر کی ہے کہ ابتداہی سے واقعات کو اس رنگ میں پیش کیا جائے کہ بچوں کو ان سے اخذ نتائج کی طرف بتدریج ترغیب ہو۔

غالباً مولف خود مذبذب ہیں کہ رامائن کے زمانہ کو پہلے کہیں یا مہابھارت کے زمانہ کو اس لئے اس مضمون کی توضیح کتاب میں نہیں کی گئی - اصل میں یہ معاملہ بھی گومگو کا ہے۔ ہندوؤں کی کتب اور روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ رام چندر جی کا زمانہ کرشن جی سے پیشتر کا ہے مگر واقعات کا محل وقوع مہابھارت کے واقعات کی تقدیم چاہتا ہے۔

مؤلف نے بدھ اور مہابیر کی زندگی اور تعلیم کا حال ایسا ملتا جلتا لکھا ہے کہ دونوں میں کوئی فرق بادی النظر میں نہیں دکھائی دیتا - حالانکہ دونوں مذاہب کی بہت سی خصوصیات ایک دوسرے سے متمیز ہیں - اور ان دونوں مذہبوں کے زوال اور خصوصاً بدھ مذہب کے ہندستان سے بالکل خارج ہوجانے کو معقول رنگ میں بیان نہیں کیا گیا - اور ہنود اور راجپوت ریاستوں کا ذکر اشوک کی سلطنت کے بعد بالکل بے جوڑ سا معلوم ہوتا ہے۔

(۶) صفحہ ۲۲ پر اشوک کی ناموری کے اسباب میں اس کے عقائد و فرامین اور کتبات کا ذکر ہے جس کو اصل مضمون سے شاید بعید سا تعلق ہے - حالانکہ اس عنوان کے تحت اس کی فتوحات اسکے انتظام ملکی - خارجی ممالک سے تعلقات - حدود سلطنت نیز رعیت کی آسائش کے واسطے کوشش کا ذکر کرنا زیادہ موزوں ہوتا -

(۷) وجوہات غدر کا مضمون بہت تشنہ ہے -

(۸) سکھوں کی ابتداء اور سلطنت پنجاب تک رسائی کا مضمون بھی بالکل ادھورا ہے -

(۹) عہد انگریزی میں قوانین کا ذکر ہے - مگر چونکہ ان کے خاص اصطلاحی ناموں سے گریز کیا گیا ہے اس لئے لڑکوں کو ایک کو دوسرے سے تمیز کرنے میں سخت دقت پیش آتی ہے - اگر پٹس انڈیا بل - ریگولیٹنگ ایکٹ وغیرہ نام بتادیے جائیں تو بہت سہولت ہوجائے -

(۱۰) بعض جگہ سنہ عیسوی کے ساتھ ہجری بھی درج ہے - مگر اکثر جگہ یہ التزام قائم نہیں رہا

تمن بکرمی یا سکا سالیواہن کا تو کہیں نام تک نہیں پایا جاتا۔

(۱۱) وسطانیہ کے طلبا کی کتاب تاریخ کا نقشوں اور تصاویر سے خالی ہونا بھی کتاب کو بالکل روکھی پھیکی اور غیر دلچسپ بنا دیتا ہے۔ اگر اہم عہدوں کے نقشے اور مشہور مقامات اور اشخاص کی تصاویر دیجاتیں تو بہت کچھ جذب توجہ کا موجب ہوگا۔ غالباً خود مؤلف کو بھی اس امر کا احساس ہوا ہے کیونکہ جدید ایڈیشن میں تین نقشے شامل ہیں۔ مگر یہ تعداد ہرگز کافی نہیں ہوسکتی۔

(۱۲) نت آئے دن کے سرحدی حملوں کی وجہ اور نوعیت کیا ہے۔ تقسیم بنگال سے بنگالی نوجوان کیوں چراغ پا ہوگئے تھے۔ اہل دکن نے کیوں شمالی ہند پر حملے نہیں کئے۔ ہندوستان میں ذاتوں کا رواج کب اور کس طرح ہوا۔ اس کتاب سے اس کا پتہ بمشکل چل سکتا ہے ایک اسی بات پر کیا موقوف ہے تمام کتاب پڑھکر مؤلف کے مؤرخ یا فلسفی ہونے کی بجائے مختصر وقائع نگار ہونے کا گمان غالب ہوجاتا ہے اور طلباء کو سوچنے کے بجائے رٹنے کی ترغیب زیادہ ہوتی ہے۔

(۱۳) مدارس وسطانیہ کے اکثر مدرسین کم تعلیم یافتہ ہوتے ہیں اور ان کا انحصار زیادہ تر داخل نصاب کتاب ہی پر ہوتا ہے۔ اگر وہ کتاب بہت مختصر ہو تو کچھ اختصار مدرس اپنے بیان میں کرتا ہے اور کچھ لڑکا یاد کرنے کے وقت جس سے واقعات بالکل مسخ بلکہ متروک ہوکر ایک غیر مسلسل ذہنی مرقع بن جاتے ہیں۔ پس موجودہ کتاب کو ذرا اور مفصل کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱۴) مدارس سرکار عالی میں داخل نصاب کتاب میں ریاست حیدرآباد کے حالات کا کہیں بھی ایک تو کجا منتشر طور پر بھی نہ ملنا ایک افسوسناک فرو گذاشت ہے۔ جس کی تلافی نہایت ضروری ہے۔

(۱۵) عظیم الشان ہندو اور مسلمان بادشاہوں کو کتاب میں 'اس' وغیرہ کے معمولی الفاظ سے یاد کیا ہے۔ مگر انگلستان کے موجودہ حکمران خاندان کے افراد کا ذکر نہایت ادب واحترام سے کیا ہے۔ مناسب ہوتا کہ سب کا ذکر یکساں الفاظ میں ہوتا تاکہ کسی قوم کے مذہبی اور قومی

جذبات کو صدمہ نہ پہنچے اور" نام نیک رفتگان ضائع مکن" پر بھی عمل ہو۔

اس معائب شماری اور نکتہ چینی کے بعد اس امر کا اعتراف کرنا ضروری ہے کہ با ایں ہمہ یہ کتاب غالباً ان سب کتابوں سے بہتر ہے جو اس وقت ہندوستان کے مختلف صوبوں کے مدارس میں مروج ہیں۔ مؤلف نے ان سب کے نقائص کو پیش نظر رکھکر ان کو دُور کرنے کی حقیقی کوشش کی ہے اور اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی خامیاں معدودے چند ہیں جن کا آئندہ ایڈیشنوں میں دُور کیا جانا کچھ مشکل نہیں ہے۔ اگر فاضل مؤلف اس طرف ادنیٰ سی توجہ کریں تو ایک نہایت ہی مفید اور عمدہ کتاب مفید تر اور عمدہ ترین سکتی ہے تا اصلاح مدرسین کو چاہیئے کہ تاریخ کا سبق دیتے وقت نقائص برآمدہ کو فراموش نہ فرمائیں۔

صوبہ بمبئی کی ایک قابلِ تقلید تحریک

ڈائرکٹر صاحب محکمہ اطلاعات بمبئی نے دیہات میں طبی امداد کی اسکیم کے متعلق ذیل کا دلچسپ مضمون شائع کیا ہے:۔

تین سال ہوئے حکومت بمبئی نے زراعتی علاقوں میں طبی امداد مہیا کرنے کی تجویز کی تھی جو اب" دیہاتی امدادی سکیم" کے نام سے مشہور ہے اس تجویز کے مطابق پونا اور بیجاپور کے سول ہسپتالوں میں یہ انتظام کیا گیا تھا کہ وہاں پرائمری سکولوں کے مدرسوں کو طب اور جراحی کے متعلق ایسی ابتدائی تعلیم دی جائے جو" ابتدائی طبی امداد" کے اصول پر مبنی ہو۔ چنانچہ اس طریق پر تیس مدرسوں کو اضلاع پونا۔ بیجاپور۔ شولاپور اور دھاروار کے اُن دیہاتوں میں مقرر کر دیا گیا جن میں تقریباً ہزار سے لیکر پندرہ سو تک آدمی آباد تھے۔ اپنے سکول کے فرائض ادا کرنے کے علاوہ یہ لوگ بہ حیثیت" ایجارک" دیہاتیوں کو ان کی چھوٹی موٹی بیماریوں میں بھی امداد دیتے ہیں اور ایسے مریضوں کو جن کا علاج انکی

قابلیت سے باہر ہوتا ہے۔ کسی قریبی دواخانہ یا شفاخانہ میں بھیج دیتے ہیں۔

سرجن جنرل صاحب نے اس سکیم کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ سرکاری ملازمین اور پبلک کے سرکردہ اصحاب نے اس اسکیم کے کامیاب ہونے کی تصدیق کی ہے۔ ۱۹۰۱ء کے دوران میں ان "اپچارکوں" نے ضلع پونا کے اندر (۲۲۹۹۲) مریضوں کا علاج کیا (۵۲۷۹۹ مریض کا بیجاپور میں (۱۹۵۷۳) کا شولاپور میں اور (۲۳۸۹۷) کا دھاروار میں۔ بیجاپور کے سول سرجن صاحب ان کے کام کی تنقید کرتے ہوئے ذکر کرتے ہیں کہ میں نے وقتاً فوقتاً ان لوگوں کی کارگزاری کا بڑی احتیاط سے معائنہ کیا۔ اور مجھے بالکل یقین ہو گیا ہے کہ یہ چھوٹے چھوٹے امدادی "علاج گھر" ہمارے غریب کاشتکاروں کو مدد پہنچانے کے لئے بہت مفید ہیں اور اب کاشتکار بھی ان سے مدد حاصل کرنے کے خواہاں پائے جاتے ہیں۔ یہ بات عام طور پر دیکھنے میں آتی ہے کہ اب دیہاتیوں کے زخموں کی مرہم پٹی بڑی صاف ستھری ہوتی ہے۔ ورنہ اس کے قبل غلیظ چیتھڑے درختوں کے پتے۔ پرندوں کے پر وغیرہ زخموں پر بندھے دکھائی دیتے تھے۔ دیگر سرکاری افسران شلاً کلکٹر اور سول سرجن اور غیر سرکاری افسران شلاً لوکل بورڈ اور میونسپل کمیٹیوں کے پریذیڈنٹوں نے بھی ایسے ہی الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ بے شک یہ سکیم خاص حد تک ہی مفید ہو سکتی ہے اور جیسا کہ سرجن جنرل صاحب بیان کرتے ہیں کہ یہ سکیم صرف اوسط درجہ کے دیہات کے لئے مفید ہے اور یہ لوگ صرف سادہ اور ابتدائی بیماریوں کا علاج کر سکتے ہیں۔ دیہات کی ڈسپنسریوں میں ۹/۱۰ کام.. ابتدائی اور سادہ قسم کا ہوتا ہے۔ یہ "اپچارک" زخم اور ناسور کی مرہم پٹی کر سکتے ہیں بہتے ہوئے کان اور متورم اور دکھتی ہوئی آنکھوں میں "لوشن" ڈال سکتے ہیں۔ جلدی بیماریوں کا علاج کر سکتے ہیں۔ غرض ابتدائی طبی امداد کے متعلق سب خدمات انجام دے سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایسے مختصر سے علاج بھی کر سکتے ہیں جیسے کونین دینا۔ اسہال کا روکنا۔ اور جلاب وغیرہ کا تجویز کرنا۔ مزید برآں یہ "اپچارک" دیہات کے حفظان صحت کے سلسلہ میں بھی مفید کارگزار ثابت ہو سکتے ہیں۔ کنوؤں کو صاف کرا سکتے ہیں اور جیسا کہ ایک رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے۔ گاؤں والوں کو

صفائی کے سادہ وسائل اختیار کرنے کی رغبت دلا سکتے ہیں۔ جن مقامات میں باقاعدہ ڈاکٹر یا طبیب نہیں وہاں ان صاحبان کا وجود بیشمار طریقوں سے کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔ ایسے مریضوں کو کسی ہسپتال میں جانے کا مشورہ دے سکتے ہیں جن کا وہ بذاتِ خود علاج کرنے سے قاصر ہوں اس طرح سے یہ دیہاتی "علاج گھر" سول ہسپتالوں میں مریض بھی مہیا کر سکیں گے۔

یہ سکیم تجربہ کے طور پر یہ امر معلوم کرنے کے لئے جاری کی گئی تھی۔ کہ اگر طبی علاج و معالجہ کے متعلق دیہاتیوں کو سہولت بہم پہنچائی جائے تو کیا وہ اس کا فائدہ اٹھائیں گے۔ چنانچہ افسرانِ ضلع اور دیگر صاحبان کی رپورٹوں سے جن کو ان مدرس طبیبوں کا کام دیکھنے کا موقع ملا جو نتائج نکلتے ہیں ان سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس اسکیم سے جو سہولتیں میسر آئیں دیہاتیوں نے ان سے خوب فائدہ اٹھایا۔ یہ امید کیجاتی ہے کہ سرمایہ دستیاب ہونے کی صورت میں اگر اس اسکیم کو مزید ترقی دیجا سکتی ہو تو میڈیکل ڈیپارٹمنٹ کے لئے وہ مشکل ترین مسئلہ حل ہو جائیگا جو اس محکمہ کے ہمیشہ پیشِ نظر رہا ہے یعنی مناسب اخراجات سے دیہات میں سلسلہ میڈیکل ریلیف کا قیام اس وقت تک جو مشکلات اس مسئلہ کے سدراہ رہیں یہ ہیں۔ مستند ڈاکٹر دیہات میں مطب کرنے کے لئے اس وجہ سے آمادہ نہیں ہوتے کہ وہاں طبابت سے چنداں آمدنی نہیں ہوتی۔ دوسرے ایسے مقامات میں ڈسپنسریوں کی ایک بڑی تعداد کھولنے اور ان کو قائم رکھنے کے لئے بہت سرمایہ کی ضرورت ہے۔ دیہاتی امدادی اسکیم سے جو نتائج اب تک حاصل ہوئے ہیں وہ اس لحاظ سے بہت امید افزا ہیں کہ عام سادہ بیماریوں کا علاج کرنے اور حوادث کی صورت میں ابتدائی مدد دینے اور دیہاتیوں کو حفظانِ صحت کے اصولوں کی طرف توجہ دلانے میں یہ مدرس طبیب اس مسئلہ کو حل کرنے میں بہت کچھ مدد دے سکتے ہیں۔

یہ اسکیم افسرانِ محکمہ طبابت اور تعلیمات کے غور و فکر کے قابل ہے۔ خصوصاً اس حالت میں جب مدرسین سررشتہ طبیہ کا کام بکفایت عمدگی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔

امریکن مدارسِ تحتانیہ کی ایک جھلک

آج ہم آپ کو نیویارک کے گلشن اطفال کی سیر کراتے ہیں اگر آپ نے اس کو اچھی طرح سے دیکھ لیا تو سمجھ لیجئے کہ نیوجرسی اور بوسٹن کے مدارس کی بھی سیر کر ڈالی اس لئے کہ ہر مدرسہ کا رکھ رکھاؤ عمارت کی طرز تعمیر۔ اور معلمین کا طریقہ تعلیم ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے فرق ہے تو صرف بچوں کی عمروں میں ہے۔ نیویارک میں چار اور پانچ برس کے درمیانی عمر کے بچے پڑھتے نظر آئینگے۔ بوسٹن میں ۴ سال کی عمر کے بچے کھیلتے ہوئے دکھائی دینگے۔ اور پھر چھٹے یا ساتویں سال تو ان بیچاروں پر ہر جگہ جبری تعلیم شروع کر دیجائیگی۔ خود ہی دل لگا کر پڑھینگے اور اٹھارہویں سال میں کامیابی کا تمغہ سینوں پر لگائے مدرسوں کی چاردیواریوں سے اٹھتے ہوئے باہر نکل آئینگے۔

اچھا تو میں آپ کو نیویارک کی گلشن اطفال کی سیر کروار ہا تھا وہ دیکھئے ایک بڑا مدرسہ دکھائی دے رہا ہے۔ یہ مدرسہ تحتانیہ ہے۔ اس میں چھ برس کی عمر سے لیکر بارہ برس کی عمر کے لڑکے ہیں۔ اس کے پاس ہی وسطانیہ ہے یہاں بچوں کی عمریں پندرہ سال تک کی ہیں اس کو بھی چھوڑے رہا آخری حصہ یہ مدرسۂ فوقانیہ ہے۔ وسطانیہ سے سولہویں برس کامیاب ہو کر بچہ یہاں آجاتا ہے اور اٹھارہ سال کی عمر تک تعلیم پاتا ہے۔ اس کو بھی چھوڑ کر آگے بڑھئے اس کے پاس ہی جو دوسری عمارت ہے یہی گلشن اطفال ہے۔ اندر جا کر تو واقعی دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ کمرے کس قدر کشادہ اور ہوادار ہیں۔ دروازہ۔ دریچہ۔ اور روشندان کھلے ہوئے ہیں۔ فرفر ہوا کے جھونکے آرہے ہیں۔ کل تین کمرے ہیں ایک سے دوسرے میں اور دوسرے سے تیسرے میں جانیکا راستہ ہے اور یہ درمیانی پردہ کی دیواریں کمروں کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہیں مگر دراصل یہ دیواریں نہیں ہیں دھوکے کی ٹٹیاں۔ یہاں ہاتھ لگا کر دیکھیے تو لکڑی کا اوٹ ہے ذرا دبایا اور یہ تہہ ہو کر دیوار سے جا ملا۔ ابھی تین کمرے تھے ابھی دیواروں کو ہٹانے ہی

ایک وسیع کمرہ ہوگیا۔ اب اس سرے سے اس سرے تک نظر ڈالی جائے۔ فرش شیشہ کی طرح صاف ہے کہیں ایک تنکا بھی پڑا ہوا نہیں دکھائی دیتا۔ دیواروں کا یہ عالم ہے کہ ابھی سپیدی کی گئی ہے جا بجا موقع موقع سے خوبصورت خوبصورت تصویریں آویزاں ہیں۔ فرش پر کرسیاں اور میزیں قرینہ سے رکھی ہیں۔ الماریاں اور شِشدرے اس سلیقے سے لگائے گئے ہیں کہ سبحان اللہ بچے تو چھوٹی عمر کے ہیں مگر کس قدر اپنے کام میں مصروف ہیں گردن اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ لو وہ ایک بچہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ الماری پاس گیا۔ کنجی جیب سے نکالکر قفل کھولا۔ اور اس میں سے دو تین کھلونے نکال پھر قفل لگا دیا۔ یہ دیکھئے اب تو قواعد شروع ہوگئی۔ ہر بچہ باری باری سے اٹھتا ہے کوئی اپنا شِشدرہ کھولتا ہے کوئی الماری کھولتا ہے اپنا سامان نکالتا ہے اور پھر قفل لگا کر اپنی جگہ پر جا بیٹھتا ہے۔

سامنے ایک بڑا پیانو رکھا ہے آپ نے یوں تو ہزاروں پیانو دیکھے ہونگے مگر اس وضع قطع کا آپ کی نظر سے ایک بھی نہ گزرا ہوگا یہ تو خاص طور سے گلشن اطفال کے لئے ہی بنایا گیا ہے۔ عموماً پیانو کے اوپر کا حصہ اس قدر اونچا ہوتا ہے کہ پیانو بجانیوالے صاحب کو یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ کون آیا اور کون گیا۔ یہاں تو معلم صاحب بیٹھے پیانو بجا رہے ہیں اور اوپر کے حصہ سے بآسانی دیکھکر پورے درجہ کی نگرانی بھی کر رہے ہیں۔ بھلا کیا ممکن ہے کہ کوئی بچہ بیجا حرکت کرے اور ان کو نہ معلوم ہو جائے۔ دوسری جانب ایک چھوٹا سا گراموفون بھی رکھا ہے یہ گویا بچوں کے واسطے علم موسیقی کے ابتدائی معلومات بہم پہنچانیکا بہترین آلہ ہے بچوں میں نقل کرنے کا مادہ تو فطری ہے۔ اِدھر باجا بجا اُدھر سب نے ملکر آواز نکالی۔ کہیں بے سرے ہوئے تو معلم صاحب نے فوراً سنبھال لیا۔ لو ایک پنتھ دو کاج۔ کھیل کھیل میں گراموفون بھی سن لیا اور گانا بھی سیکھ لیا۔

آگے چلو تو ٹائپ رائٹر رکھا ہے بھلا اس کی کیا ضرورت ماری گئی تھی۔ یہاں تو کسی بچہ کے پاس سرے سے کتاب ہی نہیں۔ کسی بچہ سے آپ حروف تہجی پوچھیں تو معلوم ہوگا کہ ان کو

یہاں حرف بھی نہیں آتا۔ یوں دیکھو تو قلم دوات۔ پنسل۔ کاغذ۔ چاک۔ رنگین پنسلیں۔ مٹی۔ خاک۔ دھول۔ سب کچھ رکھا ہوا ہے۔ بات یہ ہے کہ یہاں کچھ لکھاتے پڑھاتے نہیں ہیں۔ ان کے عادات و اطوار درست کرتے ہیں۔ علم کی جانب تحریص و ترغیب دلاتے ہیں اور استاد ایسے اصول اختیار کرتے ہیں جن سے انکی آنے والی زندگی کی بنیادیں مستحکم ہو جاتی ہیں۔

یہ ٹائپ رائٹر جو آپ دیکھ رہے ہیں وہ واقعی بچوں کے لئے نہیں ہے بلکہ مدرسہ کے نوٹس وغیرہ چھاپنے کے لئے ہے۔ جب ضرورت ہوئی معلم صاحب کاغذ ہاتھ میں لئے کرسی پر جا ڈٹے اور کھٹا کھٹ ہاتھ چلانا شروع کر دیئے۔ استاد کو دیکھ کے بچے بھی جمع ہو گئے۔ ادھر معلم صاحب اٹھے بچوں نے مشین کا جائزہ لے لیا۔ لگے اُلٹے سیدھے ہاتھ چلانے استاد نے طریقہ بتایا اور راستہ پر لگا دیا۔

اب آپ غور سے دیکھئے بچہ حرف تک نہیں پہچانتا۔ مگر چھوٹے چھوٹے لفظ جن کو اپنے درجہ میں روزانہ سنتا رہتا ہے اور جن سے وہ مانوس ہے کھٹ سے ٹائپ کر دیتا ہے۔ لفظ صحیح ہجے صحیح۔ لو اور کیا چاہیئے۔ اصل یہ ہے کہ نقل را چہ عقل۔ استاد نے بتایا بچہ نے سیکھ لیا کل انہیں الفاظ کو استاد تحلیل کروا کے حروف کا زور بھی بتا دیگا۔ آج لفظ ہیں کل جملے کے جملے لکھتے چلے جائینگے حروف شناسی بھی آ جائیگی اور لکھنے پڑھنے بھی لگینگے۔

دوسرے حصے میں تو دیا سلائی کی دوکان ہے۔ یا معلوم ہوتا ہے کہ کسی ٹھیکہ دار نے مکان بنانے کے لئے چھوٹی چھوٹی اینٹوں کے ڈھیر لگا دیئے ہیں۔ ان کو اینٹیں نہ کہیئے یہ ان چھوٹے چھوٹے معماروں کی زندگی کی عمارت کے بنیادی پتھر ہیں یہ وہ تحفہ ہے جو فروبل نے ابتدائی تعلیم کے لئے بچوں کی نذر کیا ہے۔ کہنے کو تو مٹی کی اینٹیں ہیں۔ مگر ان کے آگے چاندی اور سونا ہیچ ہے۔ دیکھو تو ظالم کیا مشغلہ نکال گیا ہے۔ اینٹوں کے گرد بچوں کا مجمع ہے کس قدر مصروفیتیں بڑھی ہوئی ہیں۔ جس کو دیکھو اپنی دھن میں اینٹ کی مسجد الگ اٹھا رہا ہے۔ مگر اینٹ اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی یا بے قاعدہ نہیں ہے۔ ذرا باہر تو دیکھو ان چھوٹے معماروں نے

کس قدر خوبصورت اور مستحکم مکانات تیار کر ڈالے ہیں۔ آنے جانے کے لئے دروازہ روشنی اور ہوا کے لئے کھڑکیاں اور روشن دان۔ اوپر چڑھنے کے لئے سیڑھیاں اور دو منزلہ پر کسیقدر ڈھالدار چھت ڈالدی ہے۔ کہ جسے انجنیر بھی دیکھکر حیران رہ جاتا ہے یہ "ہٹی بل بلاکس" میں۔ تمام چوبی تختہ۔ اور لکڑیاں سچ تو یہ ہے کہ یہ فرد بل گیمس سے سبقت لے گئیں۔ کسقدر صحیح اصولوں پر لکڑیاں بنائی ہیں۔ بلا تکلف مکان سمجھئے۔ بچے خود مکان بناتے ہیں اور خوش ہو ہو کر اندر جاتے ہیں سیڑھیوں پر چڑھتے ہیں۔ ٹانگیں پھیلا پھیلا کر کرسی پر بیٹھتے ہیں اور اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے مکانوں کو دیکھکر مارے خوشی کے اپنے جامے میں نہیں سماتے ہیں

ہٹی بل بچارہ تو مرگیا مگر ان لکڑی کے ٹکڑوں کی بدولت اس کا نام قیامت تک زندہ رہیگا۔

بچے پیدا ہونگے تعلیم پائینگے۔ اور اس عالم وفاضل کی لکڑیوں سے مکانات بنا بنا کر اس کی روح کو خوش کرتے رہینگے۔ بہت سے اُن میں انجنیر بنینگے اور اس کی ایجاد کی داد دیتے رہینگے۔

میں کہاں تھا اور کہاں پہنچا۔ گلشن اطفال سے باغچہ میں چلا گیا۔ خیر پھر اندر تشریف لے آئے یہ دیکھئے چاقو۔ چھریاں۔ قینچیاں اور ہتوڑے رکھے ہوئے ہیں۔ اس بات کا بھی بھول کر بھی خیال نہ کرنا کہ بچے آپس میں لڑینگے چھری اور چاقو چل جائینگے۔ اب ان میں اطاعت کا مادہ پیدا ہوگیا ہے اچھے بُرے کی تمیز ہوگئی ہے۔ استاد کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ لڑتے جھگڑتے مطلق نہیں۔ اپنے اپنے کاموں میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ سب مل کر ہتوڑوں سے کھیلتے ہیں۔ اس کو کاٹ کر کبھی پھول کبھی پتے بناتے ہیں۔ ایک دوسرے کو ملا ملا کر خوش ہوتے ہیں۔ اُستاد بیٹھ ٹھونک ٹھونک کر شاباشی دیتا ہے اور کیوں نہ دے یہ سب کچھ انہیں کا کیا دھرا ہے۔ کچھ ایسا منتر پھونک دیا ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے ماں باپ کو بھول گئے۔

دُوسری طرف معلوم ہوتا ہے کہ خاصی چھوٹی سی ورک شاپ ہے۔ بعض تو بڑھئی کا کام

کر رہے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی آریاں اور بسولے لئے ننا ننھے ہاتھ چلا رہے ہیں۔ کبھی لکڑی کی سطح اور کبھی ایک آنکھ بند کر کے لکڑی کی سیدھ دیکھتے ہیں۔

بعض لوہاری کام کر رہے ہیں کسی کے ہاتھ میں چھنی ہے کسی کے ہاتھ میں ہتھوڑا اور ہتوڑے پر ہتوڑا بج رہا ہے ایکطرف ایک ٹکڑی بیٹھی مٹی کے کھلونے تیار کر رہی ہے۔ ایک پانی لاتا ہے دوسرا مٹی ترکرتا ہے اور سب بچے مل کر چھوٹے چھوٹے چائے دان دودھ دان پیالیاں چمچے لوٹے مٹکے پھول پھل غرض یہ کہ دنیا بھر کی چیزیں بناتے ہیں۔ ادھر کام ختم کیا اور پھر اندر سے ایک چھوٹی سی جھاڑو لا لکڑیوں کا برادہ لوہے کے ٹکڑے اور گرد و غبار صاف کرنا شروع کر دیا۔ اور چھوٹی چھوٹی ٹوکریوں میں کوڑا کچرا بھر باہر پھینک آئے۔ پھر جو چیز جہاں سے اٹھائی تھی وہیں رکھ دی اور آستین چڑھی ہوئی ناند پاس پہنچے۔ صابن سے منھ ہاتھ دھو تولیے سے پونچھ دوسرے کمرے میں چلے وہاں پہنچکر الماری کھولی خراب کپڑے اتارے اور صاف ستھرے کپڑے پہن لئے۔ پھر قفل لگا باہر نکل آئے چلو چھٹی ہوئی۔ اب کمرے سے باہر نکلے وہ نام کا گلشن اطفال تھا۔ یہ تو باغ ہی ہے۔ پھولدار درخت چھوٹے چھوٹے پودے نہایت خوبصورتی سے لگائے گئے ہیں۔ استاد بچوں کو لا کر اُن کے نام بتاتا ہے۔ ان کی بیج کلیاں پھول پھل بتا بتا کر بچوں کے معلومات میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔

ایک جانب کتنے بلیاں۔ خرگوش۔ چوہے اور مختلف جانور اور مشہور پرندے پال رکھے ہیں۔ اُن کو بچے رات دن دیکھتے بھالتے رہتے ہیں۔

اُن سے بچے مانوس ہو جاتے ہیں وہ بچوں سے مل جاتے ہیں۔ استاد ہر ایک جانور سے متعلق کچھ نہ کچھ بتاتا رہتا ہے۔ بچے سنتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔

مطالعۂ اطفال

(امرداد ۱۳۲۶ف سے پیوستہ)

(۴) جذبۂ حرب اگر اس جذبہ کو عملیات کی حیثیت سے لیجیے تو یہ میدان جنگ و جدل کا مرادف ہے
اگر اس کو جذباتی حیثیت سے دیکھئے تو غیض و غضب کی صورت اختیار کرتا ہے یوں تو یہ جذبۂ حرب
شروع طفولیت ہی سے ظاہر ہونے لگتا ہے۔ لیکن سات سال کی عمر کے بعد تو یہ بچہ میں اچھی خاصی طرح سے
رونما ہوجاتا ہے اس کو ہم جذبۂ خود نمائی کی ایک حالت کہہ سکتے ہیں اس لئے کہ جب انسان اس جذبہ کے
تحت اگر کمزوروں کی محافظت سے قاصر رہتا ہے تو غیض و غضب پر اتر آتا ہے اور غضبناکی کی
حالت اختیار کرلیتا ہے۔ جذبۂ حرب کی روک تھام ضروری ہے۔ غیض و غضب اس جذبۂ حرب کی ایک
انتہا ہے اور پست ہمتی اور مرنجامرنجی اس کی دوسری انتہا۔ محض غضبناکی طبیعت پر بہت برا اثر
ڈالتی ہے اور اس سے حاصل کچھ نہیں ہوتا یوں سمجھئے کہ اس سے بچہ قہر درویش بجان درویش کا مصداق
بن جاتا ہے۔ دل ہی دل میں ضبط غم کرنے سے قلب کمزور ہوتا ہے اور اعصاب ناتوان۔ اس لئے
بہتر ہے کہ بچے کو حالت غیض میں مُکے بازی کی تعلیم دی جائے۔ اس کے پورے طور پر ذہن نشین
کردیا جائے کہ ذلت کی عاجزی پر عزت کی تکلیف کو ترجیح ہے مدرس کا فرض ہے کہ بچہ کے جذبۂ حرب
سے عاقلانہ کام لے اور اس کو مردہ یا بے راہ نہ ہونے دے۔ اس جذبہ کو مردہ ہوجانے دینا
گویا بچہ کی خواہش خودنمائی کی جان نکال لینا ہے۔ بچہ میں اس کی جسمانی طاقت اور قابلیت کا
احساس پیدا کرانا درحقیقت اس کے ہاتھ میں عنان حکومت دیدینا ہے۔ جذبۂ جنگ و جدل
جذبۂ خوف کی بالکل ضد ہے اگر کوئی بچہ اپنی طاقت اپنی قابلیت اپنی صحت اور اپنے
تقوے پر ناز و غرور کرتا ہے تو یہ سب روا ہونا چاہیے لیکن اس کو ایک عاجز پست ہمت اور عادت
پسند بننے کی کبھی اجازت نہ دینی چاہیے۔ جذبۂ جنگ انتقام کی بیخ کنی کرنا گویا طالب علم کی جسارت و مردانگی

کی بنیاد ہلا دیتا ہے۔ جذبۂ حرب کا ایک دوسرا پہلو یعنی رقابت تعلیمی حیثیت سے نہایت ہی گراں قدر ہے اس کے تحت طالب علم جماعت میں کاروبار میں اور زندگی کے ہزاروں شعبوں میں چمکنے کی کوشش کرتا ہے اور اسی خواہش میں اس کی اصل ترقی مضمر ہوتی ہے بچہ کا مدمقابل اسکے لئے باعث رحمت تصور کرنا چاہیئے اس لئے کہ وہ اس کو اولوالعزم بناتا ہے اور اس کی خوابیدگی اور پستی کے معاملہ میں ایک مہمیز کا کام کرتا ہے۔ ایک ساکن اور بغیر مقابلہ کی زندگی نہ صرف بے کیف ہی ہے بلکہ موت سے بدتر۔ ایک جنگ جو کیا چاہتا ہے صرف اپنے دشمن کو زیر کرنا رقابت و تقابل کے بھی یہی معنی ہیں کہ ہم اپنے مقابل سے ایک اونچی اور زیادہ شاندار حالت میں رہیں اگر حقیقت دیکھئے تو خلقت زیادہ تر رقابت سے پھیلی ہے ایک درندگی اور بہیمیت کی ابتدائی حالت میں انسان نے انفرادی حالت سے اجتماعی صورت کیوں پیدا کی محض اس لئے کہ بغیر جتھا بندی کے تنہا اس سے کامیابی کے ساتھ جنگ کرنا ممکن نہ تھا ہم تجارت میں دنیوی کاروبار میں اور دیگر سوشل ضروریات میں جو آئے دن پارٹیاں جماعتیں اور جتھے بناتے رہتے ہیں یہ سب آخر ہم کیوں کرتے ہیں محض اس لئے کہ گروہ بندی سے اپنے اغراض کے دشمن کا مقابلہ اچھا ہوتا ہے۔ یہ سلسلہ دنیاوی سیاست میں اور روشن کی طرح نظر آتا ہے۔ تمام اتحادی انجمنیں مثلاً ٹیچرس انسٹیٹیوشن وغیرہ اس کی وضاحت کے لئے کافی ہیں۔ دشمن فی الحقیقت ہمارا دوست ہے وہ ہمارے ارادہ میں قوت اور عمل میں جان پیدا کرتا ہے اگر شومی بخت سے ہمارا کوئی دشمن نہ ہو تو ہمیں تلاش کرکے اُسے ڈھونڈھ نکالنا چاہیئے ورنہ پھر زیست بے ذائقہ ہو جائیگی اور زندگی سڑ جائیگی۔ ؎

بے دشمن جاں راحتِ دنیا ہے تو کیا ہے
قاتل ہو کوئی ان کا تو جینے کا مزہ ہے

یہ رقابت ہی ہے جو تقویت بخشتی ہے۔ طالب علم اپنی وقعت اور اپنی قدر دوسروں کے تقابل سے کرتا ہے اپنی جماعت کو باوقار دوسری جماعتوں سے مقابلہ کرنے کے بعد قرار دیتا۔

سوسائٹی کی قدر اس اتحادی تقابل سے روز افزوں ترقی کرتی ہے ایک جماعت یا دوسری جماعت سے مقابلہ کرائیے ایک مدرسہ کا دوسرے مدرسہ سے تقابل کا موقع دیجئے اور پھر دیکھئے کہ ترقی کے مقابلہ میں بچے کہاں سے کہاں پہنچ گئے اس تقابل میں اس بات کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیئے کہ خواہش فوقیت نفرت میں تبدیل نہ ہونے پائے بچہ کو اپنے مد مقابل کو ذلیل نہ سمجھنے دیجئے اس کو یہ باور کرائیے کہ حریف مقابل تم سے اچھا یا برا نہیں کہا جا سکتا۔ وہ صرف تم سے مختلف ہے کوئی قابل نفرت ہستی نہیں ہے سچ یہ ہے کہ بازیچہ زندگی میں ایک کیفیت و لطف پیدا ہونے کے لئے ہم نے کسی کو اپنا حریف بنا لیا ہے ورنہ درحقیقت صحیح تقابل تو دنیا میں محال ہے ؎

بیکار ہے یقیں تو تو ہم بھی کچھ نہیں ہم کچھ نہیں یہ سچ ہے مگر تم بھی کچھ نہیں (اکبر)

امتحانات مقابلہ انسانی قوت عمل کے لئے ایک نہایت قوی تحریک ہے لیکن وہ اسی حالت میں کہ گاہ گاہ ہوں نہ کہ مسلسل و پے در پے بچوں کے روزانہ کام پر نمبر دینا نہ صرف وبال جان ہوتا ہے بلکہ صحت قاطعہ توجہ بخلاف اس کے اگر ہم محض سہ ماہی شش ماہی یا سالانہ امتحانات پر انحصار کریں تو یہی مناسب ہے۔ چودہ پندرہ برس کے بچوں کے لئے یہ امتحانات بہت زیادہ دور ہیں اس لئے بہتر ہے کہ ماہانہ امتحانات لئے جایا کریں یہ مختصر ہوں اور زبانی امتحانات صرف اس بات کے جانچنے کے لئے نہیں ہوتے کہ بچہ نے کام کیا ہے یا نہیں ان کا ایک منشا یہ بھی ہے کہ تعلیم کو ایک عام جبریہ تحفہ ہونے کے اعتراض سے بچا لیتے ہیں اگر امتحانات نہ ہوں تو تعلیم کی قدر اٹھ جائے اور وہ حکومت کی جانب سے مخلوق کے شانوں پر ایک بیجا بار تصور کیجانے لگے امتحانات سے نہ صرف طلبا اپنے پڑھے ہوئے علم اور قابلیت کا اندازہ کر سکتے ہیں بلکہ مدرسین کو بھی اس کا موقع دیتے ہیں کہ وہ طلباء کی روز افزوں ترقی کا مطالعہ کرتے ہوئے ان کو سمجھنے کی کوشش کریں ترقی کے ابتدائی مدارج میں امتحانات بچوں کے دل کو گرما کر ایک دوسرے سے تقابل پر آمادہ کر دیتے ہیں۔ آخری منازل میں انسان دوسروں سے تقابل نہیں کرتا بلکہ اپنا مقابلہ خود اپنی ذات سے کرنا شروع کر دیتا ہے اس لئے کہ وہ ان مدارج پر پہنچ کر سوسائٹی کو فراموش

کردیتا ہے اور اپنے افعال و اعمال کے محاسبہ اور تقابل کی جانب ہمہ تن مصروف ہوجاتا ہے اس حالت پر پہنچ کر اس کو اس امر کا یقین ہوجاتا ہے کہ بجز اپنی ذات کے دوسروں سے صحیح معنی میں مقابلہ ناممکن اور ایک فعل عبث ہے وہ ہمہ وقت اپنے نفس اور اپنی ہستی کے پرکھنے میں لگا رہتا ہے اور بالآخر صانع ازل کی حکمت و احسان میں محو ہوکر پکار اٹھتا ہے

نہ خیال حور و غلماں نہ سیر بہشت مارا — دل ما فدائے دستے کہ چنیں سرشت مارا
سیاحئ دل کن کہ دیار۔بہ ازیں نیست — در یاد خدا باش کہ کارے بہ ازیں نیست

(۵) جذبہ تولید و تولد | ہر جذبہ دو حیثیتیں رکھتا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی۔ انفرادی وہ صورت جس میں انسان صرف اپنے ذاتی فائدہ کا خواہاں ہو۔ اور خیال (منم) میں مست رہے اجتماعی وہ جس میں انسان خلق خدا کی بھلائی کی خاطر اپنے آرام اور فائدہ کو بالائے طاق رکھدے جذبہ جلال ہی کو لیجئے یہ جیسا حفاظت ذات کے واسطے ابھر سکتا ہے ویسا ہی تحفظ سوسائٹی او حب الوطنی کے واسطے بھی جذبہ خوف سے متاثر ہوکر انسان اپنی ہستی کی بھی حفاظت کرسکتا ہے اور مخلوق خدا کو ان خطرات سے روکنے کے لئے بھی سینہ سپر ہوسکتا ہے جو سوسائٹی کے لئے مہلک ہوں۔ اسی طرح سے جذبہ تولید و تولد کی دو حیثیتیں ہوسکتی ہیں۔

(۱) اپنی ذاتِ خاص کی نمائش اور اس کی توسیع کرنا اس میں انسان صرف اپنی ہستی ہی کو پھیلاتا بڑھاتا ہے اور عام بندگانِ خدا کی فلاح کا چنداں خیال نہیں کرتا۔

(۲) خیال فلاح ذات کو وسیع کرکے ان ہستیوں تک پہنچانا جو خود اس کی پیدا کردہ ہیں یا جن سے خود اس کی ہستی کی وضاحت ہوتی ہے جذبہ پدری و مادری سے متاثر ہوکر انسان یا حیوان اپنے بچوں کے واسطے اپنی ذات کو خطرہ یا تکلیف میں کیوں ڈالتا ہے محض اس لئے کہ وہ اس کی شخصیت کا جز ہیں۔ اس کا گوشت و پوست ہیں۔ بسا اوقات اپنی ذات سے زیادہ اپنی اولاد کے تحفظ کے لئے مہلک خطرات اپنے اوپر لے لئے جاتے ہیں۔ مرغی

اپنی حفاظت کے لئے اس دلیری سے بلی کا مقابلہ نہیں کرتی جیسے اپنے بچوں کے تحفظ کی خاطر دشمن پر مجنونانہ حملہ کرتی ہے۔ یہ سب کیوں ہوتا ہے محض اس لئے کہ اس میں ایک نفسیاتی نکتہ مضمر ہے بقائے ذات سے زیادہ گہرا خیال فطرت نے طبائع میں بقائے نسل کا رکھا ہے۔ انسان فطرۃً خود غرض اور راحت پسند واقع ہوا ہے دوسروں کے ساتھ احسان کرنے اور ایثار سے کام لینے میں بھی اس کی کوئی نہ کوئی غرض مضمر ہوتی ہے خواہ یہ خیال ہو کہ یہ ایثار میرے لئے بقائے نام کا سبب ہو گا یا نفس اس فعل ہی سے اس کو خیالی راحت ملتی ہو۔ زن و اطفال کی پرورش اسقدر زحمت اور شدومد سے اس لئے ہوتی ہے کہ اس میں بھی قیام نسل کی صورت نکل کر "غم" چھپتا ہے۔

ہے انانیت جوہر انسان میں کہہ گیا ہے کچھ فرشتہ کان میں

اپنی ذات کے علاوہ ہر وہ ہستی جو "میرا" یا "میری" صفت سے موصوف ہو انسان کو عزیز ہوتی ہے۔ میرا بھائی۔ میری بیوی۔ میرا بچہ۔ میری ماں۔ سب اس لئے محبوب ہیں کہ انسان ان کو اپنا سمجھتا ہے اور یہ اس کے لئے خیالی یا عملی کسی نہ کسی حیثیت سے راحت رسانی کا باعث ہوتے ہیں۔ بیوی گو اس کا گوشت و پوست نہیں ہوتی لیکن چونکہ اس کی ملک ہوتی ہے اور ایک شریک رنج و راحت کی حیثیت رکھتی ہے انسان اس کو اپنی ذات کا ایک جز سمجھتا ہے اور اس کی حفاظت اور آسائش اپنا فرض عین جانتا ہے۔

یہ جذبۂ محبت محض اپنے قریبی عزیزوں تک محدود نہیں رہتا۔ اکثر اس کا گوشۂ دامن بہت دور تک پھیلتا ہے اور انسان عاجزوں۔ حیوانوں اور غیروں کے بچوں وغیرہ پر ایسی شفقت کرنے لگتا ہے جس کے کہ مستحق محض اس کے قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں۔ اس جذبہ کے اعلیٰ معیار پر پہنچکر انسان ایک ہمہ دوست شخصیت بنجاتا ہے۔ اب ہر متنفس کی تکلیف پر وہ اپنے قلب میں ایسی ہی تکلیف محسوس کرتا ہے جیسا کہ اپنے قریبی عزیزوں کی ایذا پر

سدا ہی چلا تیر حوادث اور میں تڑپا ہمیشہ شاد ہو کر بھی مجھے ناشاد ہونا تھا (قمر)*

یہی محبت بنائے کائنات ہے۔ انسان اس جذبہ کو جتنا وسیع کرے اتنا ہی رحمل ہو جاتا ہے۔ نظام انسانی و سائٹی کا شیرازہ اسی رشتۂ محبت سے بندھا ہے۔

اس جذبہ کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے مدرسین کو چاہیئے کہ اس کی تخم ریزی طلاب کے قلوب میں بچپن ہی سے کریں کہ ہمدردی بنی نوع انسان کا سبق ابتدا ہی سے اس کے داخل جبلت ہو جائے یہی جان تہذیب ہے اور یہی اصل تمدن اس تعلیم کی بجز اس کے اور کوئی غایت نہیں کہ بچہ اپنے بہیمی جذبات کو روکے اور "با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا" کا عامل بنے۔ کمزوروں آزار دیدہ ہستیوں اور مستحق لوگوں کی جانب اپنا دستِ اعانت و پناہ بڑھانا اپنے بزرگوں کی اعمال حسنہ کی سچی تقلید کرنا ہے یوں تو تعلیم اعمال حسنہ کی وسعت کی کوئی انتہا نہیں لیکن اس قسم کی ساری تعلیم کا لب لباب یہ ہے کہ بچہ کے ذہن میں یہ بات بخوبی بیٹھ جائے کہ خدمت عزت ہے جماعت اسکاؤٹ کے قیام کے تہہ میں بھی یہی نکتہ چھپا ہوا ہے کہ خادم درحقیقت مخدوم ہوتا ہے۔ جو مدرسہ اس خیال کو طلباء کے دل میں جتنا زیادہ جاگزیں کرنے میں کامیاب ہوگا اتنا ہی وہ اپنے اصل فریضے سے سبکدوش ہوگا۔

(باقی آئندہ)

---

* یہ میری اس نظم کا ایک شعر ہے جو میں نے عالیجناب ہز اکسیلنسی راجہ راجایان سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت کے حضور میں بموقعہ سرفرازی صدارت عظمیٰ پیش کیا تھا۔ (قمر)

ایک غیر معروف بحری مدرسہ

بمبئی سے ایک گھنٹہ کی مسافت پر ایک چھوٹا سا خوبصورت جزیرہ نوحا
کے نام سے موسوم ہے یہ سر محمد یوسف کی ملکیت ہے جن سے ان کی عام فیاضی کے باعث ہر شخص واقف ہے۔ گو سر محمدؐ شہرت و نمود نہ چاہیں لیکن یہ امر قابلِ افسوس ہے کہ ان کے اس مدرسہ کی اشاعت نہ ہو جو انہوں نے جزیرہ نوحا میں چودہ سال سے قائم کر رکھا ہے آپ کے دم سے جزیرہ میں ایک بحری مدرسہ قائم ہے جہاں لڑکوں کو کشتی بانی اور جہاز رانی کی تعلیم دی جاتی ہے اور اس بحری مدرسہ کے علاوہ وہاں بہت سے صنعتی مدارس ہیں جہاں بچوں کو مفید صنعت سکھا کر ملک کے لئے مفید بنایا جاتا ہے۔ سارا جزیرہ آپ کے بہتر اطوار۔ عمدہ نظم اور صفائی کی آپ شہادت دیتا ہے۔ اس کام میں سر محمد یوسف ایک لاکھ روپیہ سالانہ صرف کرتے ہیں لیکن یہ خرچ اُن تمام اخراجات کے علاوہ ہے جو سر محمد کو مدارس کے نظام کی درستی اور حرفتی تعلیم کے آلات کے خرید میں وقتاً فوقتاً صرف کرنا پڑتا ہے۔ کاش حکومت ان کی حوصلہ افزائی فرمائے اور ان کے بچوں کے لئے ایک جہاز تربیت کے واسطے مہیا کر دے۔

اس درسگاہ کا پہلا مقصد عمدہ عام تعلیم ہے۔ کوئی ملاح خواہ اپنے فن میں کیسا ہی ماہر ہو لیکن جہالت اس کی ترقی میں بہت بڑی رکاوٹ پیدا کر رہی ہے اسی اصول کے ماتحت یہاں کے طلبہ کو معمولی مدارس کے نصاب کی تعلیم بھی دیتے ہیں۔ جماعت صغیر کے علاوہ انگریزی کے چار اردو کے سات اور مرہٹی کے چھ درجے ہیں۔

نصاب Curriculum | مضامین جن کی تعلیم اسکول کی اونچی جماعتوں میں ہوتی ہے حسب ذیل ہیں۔

قوانین جہاز رانی۔ انگریزی۔ عربی۔ اردو۔ مرہٹی۔ حساب۔ علم ہندسہ۔ تاریخ۔ جغرافیہ

س۔ طبیعیات۔ کیمیا۔ ہی کھانہ۔ رپورٹ اور مضامین نویسی اور علم حفظانِ صحت۔
...ہلی جماعت میں انگریزی کی تعلیم کامیاب ثابت ہوئی۔

بحری تعلیم | عام تعلیم کا نصاب جو اس بحری مدرسہ میں رائج ہے بتلایا جاچکا ہے بحری تعلیم کے عملی حصہ پر... ماہیر فن جہازرانی شامل ہے طلباء کی اعلیٰ جماعت کو جہازوں کے مختلف حصوں کی شناخت جہاز ... اور متحرک کشتیوں کے نمونوں کے ذریعہ بتایا جاتا ہے اور جھنڈوں کے ذریعہ خبر بھیجنے (Semaphore - Signalling) کی تعلیم بھی دیجاتی ہے مزید برآں انہیں سیسہ کی لکیر چڑھانا اور کشتی چلانا ہوا کے رخ کے مطابق بادبان کا سمیٹنا۔ اور پھیلانا سکھایا جاتا ہے۔ ... پر راستہ کی شناخت کے قواعد بھی بتائے جاتے ہیں۔ جہاز کا راستہ بتلانے کی تعلیم دیجاتی ہے۔

بحری تعلیم کے نصاب کی تعلیم اعلیٰ اور ادنیٰ جماعت میں کی گئی ہے۔ اعلیٰ جماعت کو جھنڈوں کے ذریعہ خبر بھیجنے (Semaphore - Signalling) سادی گرہ لگانے تیرنے اور غوطہ لگانے کے سبق دیے جاتے ہیں اور تقریباً تمام لڑکوں سے تیرنے کی مشق کرائی جاتی ہے۔ بڑی جماعت کے طلباء کی اصول سائنس کے مطابق پیراکی کی مکمل تعلیم ہوتی ہے۔ مقررہ وقت میں ایک خاص فاصلہ تک تیرنے۔ کپڑے پہنکر تیرنے۔ اور پھر پانی میں اُسے اُتارنے غوطہ لگانے چھوٹی چھوٹی چیزیں مثلاً پیسے وغیرہ پانی میں سے نکالنے میں طلباء کی آزمائش کی جاتی ہے۔ ملاح کی ایک اہم خدمت ڈوبتے ہوئے انسانوں کا بچانا ہے اس لئے طلباء کو ڈوبتے ہوئے آدمیوں کے بچانے کا طریقہ سکھایا جاتا ہے جب کبھی ممکن ہو طلباء متحرک کشتی (Motor Launch) پر جہازرانی اور انجینئرنگ کی تعلیم کے لئے روانہ کئے جاتے ہیں۔

صنعتی اور حرفتی شعبے | مفید فنون کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے خیاطی۔ نجاری لمع سازی۔ مصوری۔ اور ... کی تعلیم شروع کی گئی تھی ... دوسرے مفید ہنر مثلاً

پارچہ بافی۔ بید کا کام۔ جلد بندی۔ باغبانی۔ مصوری۔ پھول اور گلدستے وغیرہ بنانے کی مشق کرائی جاتی ہے۔ ان فنون کی تعلیم کا مقصد لڑکوں کو صنعت و حرفت کی طرف مائل کرنا اور انہیں میں سے کسی ایک کو ان کی آئندہ زندگی کا ذریعہ بنانا ہے اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ لڑکوں کو اسی فن کی تعلیم دی جائے جس کے لئے ان کی طبیعت فطرتاً موزوں ہو۔

جماعت پارچہ بافی پارچہ بافی کے شعبہ میں موٹے مضبوط سوتی کپڑے پانچ کرگوں پر بنے جاتے ہیں۔ لڑکوں کو تولیہ قالین بننا اور ڈیزائن Design کا کام بھی سکھایا جاتا ہے۔ طلباء کو بننے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یتیم خانہ کے لئے کل کپڑے یہیں سے مہیا ہوتے ہیں اور اس طرح فی گز ایک آنہ کی بچت رہتی ہے۔ خیاطی کی جماعت کے طلباء کو سینا اور تراشنا سکھایا جاتا ہے اور وہ سمندر پر استعمال کے کپڑے Sea clothing تیار کرنا جانتے ہیں۔ شعبۂ پارچہ بافی کے تیار کردہ کپڑے شعبۂ خیاطی میں دے جاتے ہیں سمندر پر پہننے کے کپڑے تیار کئے جاتے ہیں۔ دوسرے کپڑے بھی تیار ہوتے ہیں اور کپڑوں کی درستی بھی کرائی جاتی ہے۔ بید کی جماعت کے طالب علم بید کی کرسیاں، ہنریں۔ اور ٹوکرے بناتے اور بید کے فرنیچر کی مرمت کرتے ہیں۔ مصنوعی گلدستہ پھول بنانے اور جلد بندی کی بھی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ جلد بندی کی جماعت فری لائبریری Free Library اور اسکول کی کتابوں کی جلدیں باندھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسکول کا حرفتی شعبہ طلباء کے لئے مختلف ہنر سیکھنے کا موقع مہیا کرتا ہے جس سے آئندہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکتے ہیں۔

چند لڑکوں نے ایک ماہر فن کی زیر نگرانی باغ میں زمین کھودنا، بیج بونا، پودے لگانا اور ترکاریاں پیدا کرنا سیکھا۔ متعدد موقعوں پر اسی کھیت کی پیدا کردہ ترکاریاں یتیم خانہ کے کام آئیں۔

داخت پر بھی جو دماغی تربیت کی طرح ضروری ہے خاص توجہ رکھی جاتی
لڑکوں کو ... اور پانی کے کھیل مثلاً کرکٹ فٹ بال اور ہاکی کی ترغیب دیجاتی اور
ڈرل جمناسٹک کی محنت بھی لی جاتی ہے۔ پیراکی اور کشتی رانی پر خاص توجہ رکھی جاتی ہے
پانی میں اور بصورت آتشزدگی خشکی پر جانوں کا بچانا باقاعدہ تعلیم میں داخل ہے ان کھیلوں
اور ورزشوں کے علاوہ گھوڑے کی سواری بھی سکھائی جاتی ہے۔ وقتاً فوقتاً پکنک پارٹی
Picnics قرار دی جاتی ہے تاکہ محنت کے بعد کچھ آرام و خوشی حاصل ہو۔
ایک جماعت اسکاوٹ Scouts کی بھی بنائی گئی ہے۔ جسکی اخلاقی
تربیت کا اثر جس کی روح ان بچوں میں پھونک دی ہے۔ نمایاں طور پر آپس کے
جذبۂ تعاون ہمدردی اور خود اعتمادی Self-reliance میں ظاہر ہو رہا ہے۔
بحری مدرسہ میں باجے کی بھی ایک جماعت ہے جو ایک ماہر فن استاد کی نگرانی میں
کام کرتی ہے۔ Bagpipe Band کی بھی مشق کرائی جاتی ہے۔ ایک
مجلس مباحثہ بھی قائم ہے جس میں اخلاقی۔ تاریخی۔ معاشرتی اور ادبی مضامین پڑھے
جاتے ہیں۔

مجلس انتظامیہ کی توجہ اخلاقی اور مذہبی تربیت پر بھی ہے۔ مسلمان بچوں میں اپنے
مذہبی روایات اور تسلیم کی پیروی کی تلقین کی جاتی ہے جس کا نتیجہ نکلا کہ بچے باقاعدہ
پانچ وقت مسجد آتے ہیں۔ قرآن مجید کی تعلیم دیجاتی ہے۔ ہندو بچوں کو ان کے مذہب
کی تعلیم دی گئی۔ اصول ضبط Principles of Discipline جسکے معنی تحمل ضبط
فرمانبرداری اور تعمیل فرائض کے ہیں طلباء کے ذہن نشین کیے جاتے ہیں۔ مدرسے کے اخلاق
کی برابر نگرانی ہوتی اور اس پر ان تھک محنت صرف کیجاتی ہے۔ لڑکوں کو سمجھا دیا گیا ہے
کہ تم سے اچھے اطوار عادات اور اخلاق کی امید ہے۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ اسکول کی
اخلاقی حالت اطمینان بخش ہے۔

یہ درسگاہ جو ہندوستان میں اپنی نوعیت میں پہلا ہے عوام و ملاز نمبذوا
کرچکی ہے۔ تعلیم یافتہ اور معزز اشخاص نے وقتاً فوقتاً اپنے ورود سے اس درسگاہ کو شرف
بخشا اور اس کے کام کو بنظر استحسان دیکھا ہے۔ جیسا کہ ان کے خیالات سے جو کتاب ہذا کے
میں درج ہیں ظاہر ہے۔

ایک لاکھ سالانہ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ تمام نامزد اس اسکول کے تعلیم میں سالانہ
اوسط خرچ ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ ہے۔ بحری تعلیم کا خیال اس ملک میں کوئی نیا نہیں ہے
سلاطین مغلیہ کے زمانہ میں جہاز تھے جن کو ہندوستانی لایا کرتے تھے۔ مغلوں کے بحری
بیڑے سے جس کے مرکز سورت بمبئی اور ڈھاکہ میں تھے تاریخ ہند کا ہر طالب علم واقف ہے
بحری تعلیم کے خیال کے موجد مسلمان ہی ہیں۔ جہاز سازی اور اس کے چلانے کے اصطلاحات
کے موجد ایرانی اور عرب ہیں شلاً Admiral اصل میں امیر امرال ہے جس
کے معنی جہازوں کے مالک کے ہیں۔ Nakhuda, Sukani,
Malam, Kiriyani and Bandari
جیسے الفاظ زمانۂ قدیم کی طرح اب تک ہندوستانی جہازوں میں استعمال ہوتے
ہیں۔ صدیوں پہلے یورپ میں بحری اسکول اول اول مسلمانوں نے کھولا اور سمت پہچاننے
کے آلات Compass اور سمندر کے نقشے Sea charts پہلے پہل مسلمانوں
نے بنائے اور پھر انکی تعلیم دی۔ اس لئے ایک بحری اسکول کا کھولنا اپنے اسلاف کی پیروی کرنا
ہے لیکن بدقسمتی سے اسے وہ امداد حاصل نہیں ہے جس کی یہ مستحق ہے۔ باوجود اسکے بھی اس نے نمایاں
ترقی کی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان میں ایسے مدارس کی سخت ضرورت ہے لیکن ملاحوں
کی غربت اور جہازوں کے مالکوں میں ہمدردی کی کمی کے باعث یہ اپنی نوعیت کی پہلی درسگاہ ہے
جو اب وجود میں آئی ہے ہمیں امید ہے کہ یہ درسگاہ ویسی ہی ترقی کریگی جیسی اسکے اسلاف نے
ماضی میں کی اور ملاحوں کی آبادی کے لئے مسرت اور کامیابی کا ذریعہ ثابت ہوگی۔

تختۂ سیاہ



مدیر محترم نے ایک دن دوران گفتگو میں فرمایا کہ وہ دو عنوانوں میں سے ایک پر مضمون لکھنا چاہتے ہیں جس میں سے ایک تختۂ سیاہ ہے، میں نے عرض کیا کہ آپ کا دوسرے عنوان پر مضمون لکھنا مفید ہوگا۔ تختۂ سیاہ پر انجمن اساتذہ گلبرگہ کے ماہانہ جلسہ ماہ فروردی ۱۳۳۱ف میں تقریر ہو چکی ہے۔ میرے پاس اس کے متعلق تھوڑا بہت مواد بھی موجود ہے۔ اس پر انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ "آپ یہ مضمون لکھئے" اور اپنے مرتبہ مختصر اشارہ بھی اس کے لئے مجھے عطا فرمائیے۔

ماخذ | اس مضمون میں مدیر محترم کے عطیہ اشارات کے علاوہ انجمن اساتذہ کی شُل، میری گذشتہ تقریر اور ذاتی "تجربات" لالہ رام چندر صاحب ایم اے کے محررہ مضمون مندرجۂ کتاب علم التعلیم مرتبہ جے۔ ٹی۔ زلٹن صاحب سے مدد لی گئی ہے۔

تعریف | تقریباً عام آزمائشی متعدد ابتدائی مدارس کی طرح کم از کم العلم کا ہر ناظم

اس امر سے یقیناً ناواقف نہ ہوگا کہ تختۂ سیاہ لکڑی کا ہوتا ہے جس پر ... اکثر ... یا ... سے الفاظ یا اعداد یا خاکوں کی وضاحت وتشریح کیجاتی ہے۔ تختہ نہ ہو تو ... تو وہ سطح پتھر سے یہی کام لیا جاتا ہے۔

ذرائع تعلیم | تعلیم کے ذرائع صرف کتابی نہیں بلکہ زبانی وسماعی بھی ہیں اگر کوئی شخص لکھنا پڑھنا نہیں جانتا اور زبانی سُن کر یا دیکھ کر بھی معلومات حاصل کرتا ہے تو وہ بھی علم سے خارج نہیں ہو سکتا۔ اگر موخر الذکر کا معیار اعلیٰ یا صحیح ہو تو وہ ناقص کتابی تعلیم یافتہ سے بدرجہا برتر و افضل اور دولتمند ہو سکتا ہے۔ تیس چالیس روپیہ کے امیدوار گریجویٹ کے مقابل ایک ان پڑھ یا شُد بُد جاننے والے لاکھوں کا روپیہ پیدا کرنا اس دعویٰ کی حقیقی دلیل ہے۔

تحصیل علم کے ذرائع صرف کان اور آنکھ نہیں بلکہ پورے حواس خمسہ ذائقہ، بصارت، سماعت، شامہ اور احساس بھی ہیں۔ مثلاً "آم" اگر یہ لفظ لکھا ہوا دیکھیں تو بصارت کام آئی۔ اس کو پڑھتا ہوا سُنیں تو بصارت کے ساتھ سماعت بھی شریک۔ اگر اس کے ساتھ ساتھ ہی آم کو ہاتھ لگائیں پھر سونگھیں اور چکھیں تو پانچ ذرائع تعلیم وعلم ہو سکتا ہے۔

اہمیت | تختۂ سیاہ کی اہمیت ایک فصیح وبلیغ تحریر سے ہو سکتی ہے مگر اس کی اہمیت کے لئے اس موقع پر صرف دو دعوے لکھے جاتے ہیں (۱) غالباً آپ نے مضمون تختۂ سیاہ کے ساتھ تختۂ سیاہ کے نقشہ کو دیکھ کر مضمون کی جانب معمولی سے کچھ نہ کچھ زیادہ کشش یا توجہ محسوس فرمائی ہوگی۔ جب محض تختۂ سیاہ کے خاکہ کو دیکھ کر آپ کی توجہ منعطف ہوگئی تو اصلی تختۂ سیاہ کی جماعت میں اہمیت محتاج بیان نہیں رہتی۔

اس کی دوسری اہمیت مقرر جلسہ انجمن اساتذہ گلبرگہ نے اس طرح بتائی تھی کہ پیسہ جبہ مدرسہ کو دو مساوی استعداد کے قصہ پڑھائے۔ ایک قصہ زبانی پڑھایا گیا اور

تحریری سوالات کے ۔۔ جو مجموعی نتائج حاصل ہوئے اُن کو ڈایا گرام کے طریقے سے تختۂ سیاہ پر واضح کیا گیا۔ یعنی کسی سوال کے متعلق تمام طلبہ کی مجموعی جوابات کی جو مقدار ہوتی تھی اسی مناسبت سے ایک لکیر تختۂ سیاہ پر کھینچی جاتی تھی۔ دوسرا قصّہ تختۂ سیاہ کے ذریعہ سے سمجھایا گیا اور اس کے نتائج بھی بصورت مندرجۂ صدر پہلے تختۂ سیاہ پر سابقہ نتائج کے ساتھ بنائے گئے۔ دوسرے طریقے کے نتائج نسبتاً بہت نمایاں اور زیادہ تھے۔ بعض مقرروں نے اس پر یہ تنقید کی کہ مقرر دوبارہ بلا تختۂ سیاہ کے سوالات کرتے تو یقیناً اس میں ترقی ہوتی یا تختۂ سیاہ کو مقدم کرتے تو نتائج ایسے نہ نکلتے۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ طلبہ پہلے وہلہ کے بعد دوسرے وہلہ میں نسبتاً معلومات کے باعث ترقی ہی کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا اور دیا جا سکتا ہے کہ دوبارہ سوالات کرنے پر نتائج یقیناً زیادہ نکلتے مگر اتنے زیادہ نہیں ہوتے جتنے تختۂ سیاہ کے ذریعہ طلبہ کو تفہیم کرنے کے بعد ہوئے۔ مقرر تو تختۂ سیاہ کی جانب سے وکیل تھے وہ اپنے تقویت کی دلیل کو کس طرح کمتر ہونے دیتے۔ اگر تختۂ سیاہ کو مقدم کردیا جاتا تو خود مدعی کا دعویٰ بلا کسی جواب کے مسلّم ہوجاتا ہے کہ دوسرے مرتبہ جو زیادتی ہوئی وہ تختۂ سیاہ ہی کے باعث ہوئی اور دوسرے مرتبہ کے زبانی وضاحت کی بنیاد زبانی نہیں بلکہ تختۂ سیاہ پر رہی اگر اتمام حجت کے لئے اس طرح بھی نکتہ چیں عمل کرتے تو میرا خیال ہے کہ پھر بھی تختۂ سیاہ کے جوابات کی تعداد کچھ نہ کچھ نمایاں ضرور ہوتی۔

اس وزنی اعتراض کے ساتھ اس وقت مدرسین نے تختۂ سیاہ کے استعمال کو بہت زیادہ دقت طلب اور ناقابلِ فہم قرار دیا۔ مقرر کا مطلب یہ نہیں تھا کہ روزانہ اسی طرح تختۂ سیاہ پر مربع دار خانہ بنا کر ڈایا گرام بنایا جائے وہ تو صرف تختۂ سیاہ کی اہمیت جتانا چاہتے تھے ورنہ اگر مدرس سستی و سہل انگاری نہ کرے تو ایک مدرس کے لئے تختۂ سیاہ کا استعمال مشکل نہیں ہے۔

تختۂ سیاہ کی بناوٹ (۱) تختۂ سیاہ علی العموم لکڑی کے تختوں کا بنا کر اس پر سیاہ رنگ پھیر دیتے ہیں۔ بعض بعض مقامات میں سیاہ تختہ کے ساتھ اسٹانڈ (ٹیکا) بھی ہوتا ہے

گو اکثر مقامات پر اسٹانڈ نہیں بنایا جاتا۔

(۲) دیواروں پر ڈانبر لگا کر اس سے بھی تختۂ سیاہ کا کام لیا جاتا ہے۔

(۳) میکمیلن کمپنی نے مقوہ پر سیاہی پھیر کر بھی سستا تختۂ سیاہ تیار کیا تھا جس کی قیمت ۱۰ر تھی غالباً یہ تختہ میکمیلن کمپنی سے مل سکیگا۔ متعدد بلدہ کے کتب فروش اس کو میری فرمائش و پیشہ دہی کے باوجود فراہم نہ کرسکے۔

(۴) شاہ آبادی پتھروں کے درمیان میں ریتی و پانی ڈلواکر خود اور طلبہ و مدرسین سے ان پتھروں کو گھسوا کر صاف کرایا گیا اور اس سے تختۂ سیاہ کا کام لیا گیا۔ مدارس تحتانیہ فرانس کے تختۂ سیاہ کا ذکر المعلم میں ہوچکا ہے۔ سٹی ہائی اسکول میں بھی خاص وضع کے تختۂ سیاہ ہیں جو کھٹکا دبانے پر نیچے اوپر ہوسکتے ہیں۔ تختہ سیاہ پر چاک دکھرا سے کام لیا جاتا ہے۔ پھپڑے سے کام لیا جاسکتا ہے۔

کس قسم کی تعلیم میں کارآمد ہوسکتا ہے | اگرچہ بعض کا خیال ہے کہ تختۂ سیاہ حروف تہجی اور اصطلاحات جغرافیہ کے لئے مفید ہے مگر میرا خیال ہے کہ موجودہ نصاب کے جملہ مضامین کی تعلیم میں تختۂ سیاہ کام میں لایا جاسکتا ہے۔ ادبی اور حسابی تعلیم میں اس کا استعمال ظاہر ہی ہے مضمون نگاری تقصہ گوئی و اسباق الاشیاء کے لئے اس کا استعمال بھی ایک ذریعہ ہے۔ میں نے قرآن مجید کی ابتدائی تعلیم بھی تختۂ سیاہ کے ذریعہ سے دی ہے۔ اگرچہ اس وقت کے صدر مدرسہ تعلیم المعلمین نے اس خیال پر تحیر کا اظہار فرمایا تھا۔ زبان ہائے دوم کے لئے بھی اس کی موجودگی باعث سہولت ہے۔ معلومات عامہ (جغرافیہ، تاریخ، معلومات دیہی، حفظان صحت) کے لئے اس کا وجود باعث نفع ہے۔ تعلیم علم الاشیاء (علم نباتات، کیمیا، طبعیات) میں اگر عملی کام کے لئے اشیاء نہ ہوں یا عملی کام کی مزید وضاحت کرنا ہو تو بھی تختۂ سیاہ سے آپ مدد لے سکتے ہیں ڈرائنگ کے لئے بھی تختۂ سیاہ آپ کی خدمت کرنے حاضر ہے۔ خانہ داری، سوزن کاری اور ورزش کے لئے بھی اس سے کچھ نہ کچھ کام لیا جاسکتا ہے۔

مقرروں کو بھی اس سے کام لیتا ہوا دیکھا گیا ہے۔ کسی جلسہ کے عاجلانہ اطلاعات

ئی اعلانات بھی ہم نے تختۂ سیاہ پر لکھے ہیں۔

ان تمام امور کے اظہار سے یہ ہرگز منشا و مقصد نہیں ہے کہ بس جو کچھ ہے وہ "تختۂ سیاہ" ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ "تختۂ سیاہ" ان تعلیمی کاموں میں آسکتا ہے۔ اور ان تعلیمی کاموں کے لئے صرف "تختۂ سیاہ" ہی ایک چیز نہیں ہے بلکہ اور اشیاء بھی تعلیمی امور متذکرہ کے لئے استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ اور تختۂ سیاہ سے بھی "تا بحدّ اعتدال" کام لیا جائے۔ بلا ضرورت اس کے استعمال کی ضرورت نہیں۔

ایک حق گو اخبار نے ابھی ابھی "تختۂ سیاہ" پر تعریض کی ہے۔ حالانکہ تختہ سیاہ بھی خدا تعالےٰ کی عطیہ اشیاء اور عنایت کردہ عقل سے تیار کیا گیا ہے۔ خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمالِ صالحہ کا مجسم نمونہ بنکر اور صحابہ کو نمونہ بنا کر دنیا کے سامنے پیش فرمایا ہے۔ ان کے متعلق بھی بعض مرتبہ ہاتھوں سے بنا کر یا مٹی پر لکیریں بنا کر بعض امور کی تفہیم کرنے کا ذکر احادیث شریف میں آیا ہے۔

فائدہ | سعدی مرحوم یہ "ضرب المثل" قول لکھ گئے ہیں "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" اس اصول پر کاربند ہونے کے لئے تختۂ سیاہ ایک مفید اور کارآمد ذریعہ ہے۔ اس کی مدد سے خیالات زیادہ صاف اور ذہن نشین ہوجاتے ہیں۔ کوئی بات یا اعداد لکھے جائیں تو اس کو تمام جماعت دیکھ سکتی ہے اس کو فرداً فرداً طلبہ کی کاپیوں یا تختیوں پر لکھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اس طرح وقت کی بچت بھی ہوگی۔ کوئی بات یکساتھ تمام طلبہ کو معلوم ہوجائیگی۔ دوسرے طلبہ کو غلطیوں سے واقفیت ہوگی اور آئندہ طلبہ کو ان غلطیوں سے بچنے کی قوت حاصل ہوگی۔ الفاظ کی وضاحت و صراحت اس پر ہوسکتی ہے۔ جغرافیہ کے اصطلاحات نقشہ نہ ہوں تو اس کے ذریعہ سے یا نقشوں کے علاوہ تختۂ سیاہ کے خاکوں سے بنائے جاسکتے ہیں۔ اسباق الاشیاء اور قصہ گوئی کے اشیاء یا تصاویر نہ ہوں تو تختۂ سیاہ سے کام لیجئے۔ قرآن مجید کے حروف کے جوڑ بند علیحدہ علیحدہ لکھ کر قرآنی الفاظ بسہولت طلبہ کے دماغ میں جماسکتے ہیں۔ مناظر کی تشریح اگرچہ تختۂ سیاہ پر دقت طلب ہے مگر وہ بھی ہوسکتی ہے، نقشہ جات جنگ کی وضاحت، ہوسکتی ہے۔ حفظانِ صحت کے بھی بعض مسائل

ذیں یہ مددرساں ہے۔ کسی مقام کا پتہ بھی جماعت میں سب کو تختۂ سیاہ پر بتایا جاسکتا ہے مدرسہ اور گاؤں کا نقشہ بھی بسہولت اشارۃً تختہ پر بن سکتا ہے ۔ ایک اعلیٰ گریڈ کے صدر مدرس صاحب کا خیال ہے کہ سبق چاہے کیسا ہی غیر دلچسپ ہو تختۂ سیاہ کے استعمال سے طلبہ کے لئے دلچسپ بنایا جاسکتا ہے' یہ خیال ایک حد تک درست ہے مگر مدرس محنت نہ کرے اور سہل انگاری برتے پر وقت تیاری نہ کرے تو تختۂ سیاہ بھی دلچسپی سے خالی رہیگا ۔

اتفاقی استعمال فن تعلیم کی اصطلاح میں اس کی تعریف یہ ہے کہ اگر پڑھاتے پڑھاتے کوئی ایسا نیا لفظ یا نئی اصطلاح استعمال کرد جو نہایت ہی ضروری ہو تو اس کا تختۂ سیاہ پر لکھ دینا ۔ اسی طرح نئے اشخاص اور مقامات کا نام بھی ذرا لکھ دینا یا حساب میں کوئی درمیانی اعداد بتلائے یا حل کرائے جائیں تاکہ وہ دل پر بخوبی نقش ہوجائے ۔

باقاعدہ استعمال جب تمام سبق کے خلاصہ کو عنوان واری نہایت مختصر اور مناسب الفاظ میں لکھا جائے تو اس طرز کا نام "باقاعدہ استعمال" رکھا گیا ہے ۔

خلاصہ نویسی جماعت صغیر و اول میں الفاظ کے الگ حروف لکھ کر اور انہیں جوڑ کر بتانا چاہیئے ۔ جماعت دوم سے اوپر خلاصہ نویسی ہونی چاہیئے ۔ خلاصہ نویسی سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ پڑھاتے جائیں اس کا خلاصہ تختۂ سیاہ پر درج کرتے جائیں ۔ خلاصہ دوران سبق میں نہ سوچا جائے بلکہ پہلے سے اچھی طرح سوچ لیا جائے اور اس کے متعلق مختصر اشارے بھی لکھ لئے جائیں اسکی ترتیب و انتظام کا کافی خیال رکھا جائے تاکہ عنوانات کو ہی دیکھ کر تمام امور کا باہمی تعلق صاف نظر آجائے ۔ اگر تختۂ سیاہ کا استعمال ابتدائی ہو تو عبارت کو اوقات مدرسہ سے پہلے لکھ کر آزما لیا جائے تاکہ جگہ اور وقت کی گنجائش کا اندازہ اور ترتیب کا پتہ لگ جائے سبق کی بڑی بڑی باتوں کا نہایت واضح اور مختصر خلاصہ درج کیا جائے ۔ ایسا نہ ہو کہ شروع کی باتوں کا ذکر بہت کرکے آخری باتوں کا نام و نشان نہ رکھا جائے ۔

ہدایات (۱) خط ایسا موٹا اور خوش خط ہو کہ تمام طلبہ پڑھ سکیں ۔ اگر آپ کا

خلاصات ہیں ہے تو اس کے اصلاح کی کوشش کیجئے۔

(۲) الف [illegible] ہندسہ گڈمڈ نہ ہوجائیں۔ جس قدر توجہ اور دلچسپی سے تختۂ سیاہ باترتیب اور باضابطہ لکھا جائیگا۔ اسی قدر طلبہ غلطیوں اور بے ترتیبوں سے بچینگے۔

(۳) جب ضرورت ہو چکے تو اتفاقی استعمال کے الفاظ و اعداد کو مٹادیجئے۔

(۴) حساب کا سوال بعض مرتبہ تختہ پر لکھکر حل کرانا چاہیئے یا زبان سے کہکر۔ پھر سوال تختۂ سیاہ پر لکھتا جائے۔ یا لکھ دیجئے۔

مشترکہ کام | بعض مدرسین کا قاعدہ ہے کہ سب کچھ خود ہی کہتے رہتے ہیں اس سے طلبہ کے قوائے تحریر و گفتگو مرجھائے ہوئے رہتے ہیں۔ اس لئے تحریر تختۂ سیاہ کے دوران میں طلبہ سے بھی دریافت کرنا اور ان سے بھی لکھوانا چاہیئے۔ میں نے ٹریننگ کالج سعیداپیٹھ (مدراس) میں دیکھا ہے کہ ہر طالب علم جماعتہائے ابتدائی کو تخمیناً گز سوا گز لمبا چوڑا دیوار کو سیاہ کیا ہوا حصہ ملتا ہے جس پر طلبہ بڑی خوشی سے تحریر و ڈرائنگ کا کام کرتے رہتے ہیں۔ جس وقت تختۂ سیاہ لکھا جائے تمام طلبہ تختہ کو دیکھتے اور پڑھتے یا غور کرتے رہیں۔ تختہ لکھتے وقت اپنی نظر طلبہ سے یکساں غافل نہ رکھیں بلکہ طلبہ پر نظر بھی ڈالتے جائیں۔ میں نے بعض مدارس میں طلبہ سے یکے بعد دیگر تختۂ سیاہ پر الفاظ لکھوائے نتیجہ یہ ہوا کہ طلبہ میں دلچسپی بڑھی بے توجہی کم ہوئی اور آنے جانے میں ان کے فطری حرکات کے لئے موقع ملکر ان حرکات کو بند نہ کرنا پڑا۔

کہاں رہے | تختۂ سیاہ جماعت میں ایسے مقام پر رکھا جائے کہ جہاں سے اس پر طلبہ کی نظر مساوی حیثیت سے پڑے۔ کونے میں یا تاریکی میں نہ رکھا جائے جس سے بعض طلبہ محروم رہیں یا ان کی بصارت پر بار پڑے یا ان کو کم نظر آئے۔ مدرس صاحب تختۂ سیاہ کے پاس اس طرح نہ کھڑے ہوں کہ طلبہ کی نظر حروف و اعداد پر نہ پڑے۔

چاک | جہاں معدودے چند مدرسین اپنا ذاتی روپیہ کئی مدارس پر صرف

کرتے ہیں وہاں ایسے صدر مدرسین مدارس تحتانیہ و ابتدائیہ بھی ہیں - جو مدرسہ کے مسئول صادر کی رقم کا صحیح استعمال نہیں کرتے -

بے مصرف و بیکار | متعدد مقامات پر تختۂ سیاہ کسی کونے میں بیکار ڈالدیا جاتا ہے گویا کوئی مجسمہ ہے کہ وہ کسی کام میں لایا نہیں جاسکتا یا ناظر و مہتمم صاحبان کے معائنہ کے موقع پر اس کی رونمائی ہوتی ہے - ایک مرتبہ ایک مدرسۂ نسوان کی معائنے کے موقع پر جناب صدر مہتمم صاحب تعلیمات کے روبرو سامان کے کمرہ سے ایک دو نہیں پورے سات تختے برآمد ہوئے۔ جماعتوں میں اس کو رکھنے کی تو کیا اس سے کام لینے کی بھی زحمت اٹھائی نہیں گئی - مدارس کے ایک عربی مدرس نے پچیس تیس برس پہلے تختۂ سیاہ کام میں آتا تھا۔ مگر اس کے بعد سے جب کبھی دیکھو وہ "مجسمۂ میل" کی طرح بیکار کھڑا ہوا نظر آتا ہے -

صفائی و رنگسازی | متعدد مدرسین اس کے صفائی و دھلوائی کی ضرورت نہیں سمجھتے رنگ پھیرنا تو مدت العمر دو ایک ہی مدارس میں نظر آیا - مجھے ایک تحتانی مدرسہ تعلقہ گلبرگہ کے صدر مدرس صاحب نے بتایا کہ تختۂ سیاہ کاجل کے پتہ سے سیاہ کیا جاسکتا ہے، امید کہ وہ افادہ عام کی غرض سے اس کے نسخہ کو شایع کرینگے - تختہ بدرنگ ہوجائے یا اسپر چاک نمایاں نہ ہو تو سیکملن سے روغن طلب کرکے تختہ بالکل نیا کرلیا جاسکتا ہے- یہ روغن بہت کم داموں میں دستیاب ہوسکتا ہے۔

چار اعتراض | (۱) اتنی فرصت نہیں ہے کہ تختۂ سیاہ کا استعمال کیا جاسکے -

(۲) میں (یعنی محرر مضمون نہیں بلکہ معترض) ایک لفظ کے چودہ معانی بیان کرسکتا ہوں - تختۂ سیاہ کا استعمال کیوں کروں - میرا سینہ خود تختۂ سیاہ ہے -

(۳) اشعار کی پڑھائی میں تختۂ سیاہ سے کیا کام لیا جاسکتا ہے -

(۴) بے فائدہ اور نئی بلا ہے ہم اس کا استعمال نہیں کرسکتے -

جوابات | (۱) جو کام نہ کرنا چاہے - اس کو فرصت نہیں - عدیم الفرصتی ہی کا کام

کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ کام کی ابتداء ہو جائے تو اس کے فوائد واضح ہو نگے اور سہولتیں حاصل ہونگی۔

(۲) آپ یہ الفاظ تختہ پر تحریر کردیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ اگر آپ سینے کے اندر رکھنے کے بجائے تختہ پر چاک سے لکھ سکیں تو کیا کہنا۔

(۳) معانی اشعار کی وضاحت میں کام لیا جا سکتا ہے۔

(۴) یہ ایک مدرس صاحب کا اعتراض ہے اس کا جواب بے سود ہے۔ آپ کو یہ کام نہیں آتا آپ اس لئے اس کو بلا سمجھتے ہیں

علمیت | جو چیزیں عملاً حاصل ہو سکتی ہیں ان کی تصویر تختۂ سیاہ پر بنانے سے اصلی چیز کا بتانا یا حوالہ دینا مناسب و مفید ہوتا ہے۔ جماعتِ صغیر کے لئے دونوں صورتیں کارآمد اور باعثِ دلچسپی ہیں۔

استدعا و خاتمہ | آخر میں میری استدعا ہے کہ اس مضمون پر محض اعتراض کی غرض سے اعتراض نہ کیا جائے بلکہ سابقہ تجربات و معلومات اور آئندہ کی علمیت سے اس کے متعلق تنقید و تجاویز اور معلومات کا اظہار کیا جائے۔ عدم استعمال کے وجوہات اور استعمال کے ذرائع المعلم یا کسی اور ذریعہ سے ہی مجھ کو بتائے جائیں تو باعث ممنونیت ہوگا۔

اُستاد یا مُعلّم

دُنیا کے بڑے ماہرین تعلیم نے اُستاد یا مُعلّم کا مفہوم کیا لیا ہے :-

(۱) کامیاب زندگی اور بہترین دماغ کا پیدا کرنا اُستاد کا فرض ہے (تھرنگ)

(۲) آئندہ نسلوں کی ترقی اور تنزل کی باگ اساتذہ کے ہاتھ ہے (بین)

(۳) بچوں پر قابو پانے سے پہلے اپنے پر قابو پالو (فرینک)

(۴) معلم۔ افعال۔ اعمال۔ اقوال میں بہترین نمونہ ہو۔ (کمینی الس)

(۵) خواہ روحانی تعلیم ہو یا جسمانی خواہ اقتصادی ہو یا سیاسی، طرز تعلیم کیسی ہی ہو نگرانی کیسی ہی اچھی ہو، لیکن استاد کی محنت اور انجام دہی فرائض منصبی کے بغیر سب کچھ ہیچ ہے (ڈنڈل)

(۶) گرویا استاد کا مرتبہ خدا سے دوسرے درجہ پر ہے۔

(۷) تعلیم کا مقصد کتابوں کا رٹوانا نہیں ہے۔ بلکہ بنی نوع انسان کو کامیاب زندگی بسر کرنے کا طریقہ سکھلانا ہے۔ انہیں معلوم ہو کہ جسمانی حفاظت کیسے ہوتی ہے۔ افعال و اعمال کیسے سدھارے جاتے ہیں۔ انفرادی زندگی بہترین کیسے گزرے۔ اجتماعی طور سے ہماری ہستی دوسروں کے لئے کس طرح مفید بنے (ہربرٹ سپنسر)

(۸) تعلیم کا مقصد لوگوں کو صحیح اور درست افعال کا بتانا ہی نہیں ہے، بلکہ یہ بتانا ہے کہ وہ اعمال حسنہ سے لذت حاصل کر سکیں۔ صرف محنتی ہی نہ ہوں بلکہ محنت کے شیدائی ہوں۔ عالم ہی نہ ہوں بلکہ علم کے سودائی ہوں۔ نیک ہی نہ ہوں بلکہ نیکی کے دلدادہ ہوں۔ منصف ہی نہ ہوں بلکہ انصاف پر فریفتہ ہوں (رسکن)

معلم کا اصل نصب العین بچوں کی کلی تربیت ہے۔ تعلیم اس کا ادنیٰ سا جزو ہے (تھرنگ)

زندگی ایک کل ہے، تعلیم بھی اس کے مطابق ہو (فروبل)

نیکی اور دانائی معلم کے زیور ہیں (ماں بیٹی)

معلم کو مدرس کہنا گناہ ہے۔ اسے مالی کہا کریں۔ (فروبل)

معلم وہ ہے جو متعلم کے مستقبل سے واقف ہو (لاک)

جو پیدائش کے وقت نہیں تھی۔ جوانی میں چاہیئے تھی اور بڑھاپے میں کام آئیگی وہ تعلیم ہے۔ جس کا ذمہ دار معلم ہے (روسو)

دنیا کی مشترک اور عام زبان

کیا تمام دنیا میں ایک مشترک زبان رائج ہوسکتی ہے

اسپرنٹو

گذشتہ مہینے میلان (اٹلی) میں یورپ کی نئی مشترک زبان "اسپرنٹو" کے حامیوں کا سالانہ اجتماع منعقد ہوا تھا جو کئی سال سے ہر سال منعقد ہوا کرتا ہے۔ تازہ ڈاک میں اس اجتماع کی بعض دلچسپ تفصیلات آئی ہیں۔ چونکہ ہندوستان میں اس وقت تک اس نئی زبان کی نسبت بہت کم لکھا گیا ہے۔ اس لئے ہم بعض مضامین کا خلاصہ درج کر دیتے ہیں۔

موجودہ علمی ترقیوں، تمدنی ضرورتوں، ذرائع مراسلات کی سہولت نے دنیا کے تمام براعظموں کو باہم دگر ملا دیا ہے۔ اس زمانہ میں کوئی قوم، دوسری قوموں سے قطع تعلق کر کے زندہ نہیں رہ سکتی۔

لیکن اتنے قرب و مواصلت پر بھی دنیا کی قومیں اس وقت تک ایک دوسرے سے دور ہی ہیں ان میں باہمی تعارف کے ذرائع بہت کم پیدا ہوئے ہیں۔ اس صورت حال کی بڑی ذمہ داری قوموں کی علیحدہ علیحدہ زبانوں پر ہے۔ ہر قوم اپنی مخصوص زبان رکھتی ہے۔ دوسری قوم کی زبان سے ناواقف ہے اگر واقف ہونا بھی چاہے تو بہت مشکل ہے کہ بہت سی زبانیں ہر شخص سیکھ سکے اس لئے عالمگیر تعارف و اجتماع کی کوئی صورت نکل نہیں سکتی۔

یہ حالت دیکھ کر مدت سے بعض عقلاء مغرب کا خیال ہے کہ دنیا بھر کے لئے کوئی سہل اور مختصر زبان پیدا کی جائے "اسپرنٹو" ایک ایسی ہی نو ساختہ زبان کا نام ہے جو پچھلی صدی کے اواخر میں ایجاد کی گئی ہے۔

اسپرنٹو کا موجد ایک روسی ڈاکٹر زمنہوف نامی ہے۔ یہ صوبہ گروڈنو کے ایک چھوٹے سے

گاؤں میلٹوک کا رہنے والا ہے۔

اس زبان کی ایجاد کا خیال اُسے اُس وقت پیدا ہوا، جبکہ اُس کی عمر صرف دس بارہ برس کی تھی اُس نے یہ سرگزشت خود اپنی زبان سے اس طرح بیان کی ہے۔

"میرے گاؤں میں روسیوں، یہودیوں، پولشوں، جرمنوں کی مخلوط آبادی تھی۔ میں روز سڑکوں پر لڑائی جھگڑے کے واقعات دیکھا کرتا تھا۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یہ جھگڑے زیادہ تر اس لئے پیدا ہو جاتے ہیں کہ باشندے ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتے میں نے خیال کیا کہ اپنے گاؤں کے لئے کوئی ایسی زبان ایجاد کرنی چاہیئے جو سب کے لئے آسان اور قابلِ فہم ہو۔ اسپرنتو، اسی خیال کا نتیجہ ہے۔"

یہ کام آسان نہ تھا۔ ڈاکٹر مذکور کو یورپ کی تقریباً تمام زبانیں سیکھنی پڑیں۔ سب کی صرف و نحو میں مہارت حاصل کی۔ اور ایک بالکل نئی زبان اور نیا قاعدہ بنانا پڑا۔ ۱۸۸۵ء میں اُس نے اپنی تعلیم ختم کی تھی اور طبابت کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ تاہم اُس کی تمام تر توجہ اس نئی زبان کی تکمیل و اشاعت ہی پر صرف ہوتی رہی ۱۸۸۷ء میں اس نے اس زبان کی پہلی کتاب شائع کی۔ اس کا نام "عالمگیر زبان" تھا۔

شروع شروع میں اسے سخت ناکامیابی ہوئی۔ سب لوگ اسے مجنون قرار دیتے تھے۔ کوئی اس کی مدد پر کھڑا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن بتدریج یورپ میں اس کا خیال مقبولیت حاصل کرنے لگا، اور اس زبان کی ترقی کے لئے پیرس میں ایک انجمن "Esperantistes Pacifiques De Paris" کے نام سے قائم ہو گئی۔

سب سے پہلے ۱۸۸۷ء میں دنیا نے یہ نئی زبان سنی۔ ڈاکٹر موصوف نے ایک جلسہ میں اس زبان کی ایک نظم سنائی۔ اس کے ابتدائی بند مع ترجمہ حسبِ ذیل ہیں

En La mondo vanis nova sento

دنیا میں ایک نیا شعور آیا

Fra La mondo iras fort voko

دنیا میں ایک طاقتور دعوت پھیلانے لگا

Per de flugiloj de facila vento

ہلکی ہوا کے بازؤں پر

Nun de loko flugu gi' al loko

اُسے ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑنے دو!

اسپرانٹو، اس قدر آسان زبان ہے کہ اُس کے تمام قواعد ایک گھنٹہ کے اندر معلوم کر لئے جا سکتے ہیں۔ اُس کے الفاظ کی تعداد صرف دو ہزار ہے۔ چند ہفتہ کی مزاولت کے بعد گفتگو اور تحریر بخوبی کی جا سکتی ہے۔ اس کے تمام الفاظ یونانی، لاطینی، جرمن، روسی، فرانسیسی، اور انگریزی زبانوں سے ماخوذ ہیں۔ اس میں صرف ۲۳ حرف ہیں **u, s, j, h, g, c** دو حرفوں کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ کوئی ساکن حرف نہیں ہے۔ جو حرف لکھا جاتا ہے، تلفظ بھی کیا جاتا ہے۔ نشان افعال بھی نہیں ہیں۔ معرفہ کا صرف ایک حرف ہے اور وہ **La** ہے۔

الفاظ کی قسمیں اُن کے اواخر سے پہچانی جاتی ہیں مثلاً **Patro** (باپ) میں **o** اسم کی علامت ہے **Patra** (ابوی) میں **a** نعت یا نسبت کی علامت ہے **Patre** میں **e** ظرف کی علامت ہے **Patri** میں **i** افعال کی علامت ہے۔

حروف علت، **a, e, u, o** جب اصل لفظ سے ملا دئے جاتے ہیں، تو وہ لفظ یا توصفت ہو جاتا ہے یا ظرف، فعل، اور اسم۔

فعل کی تصریف یوں ہوتی ہے:۔

محبت Ami	(مصدر)
mi Amas	میں محبت کرتا ہوں
mi Amis	میں نے محبت کی
mi Amos	میں محبت کرونگا
mi Amus	شاید میں محبت کروں
Amu	محبت کرو
Aman ta	محبت کرنے والا
Amin to	محبت کرتا تھا
Amon te	عنقریب محبت کریگا

اسپرانٹو زبان میں مسیحی نماز کی دعا کا ترجمہ یہ ہے :—

Patro nia Kiu estas en la cielo,

اے ہمارے باپ تو جو آسمان میں ہے !

sankta estu Via nomo Venuregeco Via.

تیرا نام پاک مانا جائے، تیری بادشاہی آئے !

Estu rolo Via Kiel en la cielotiel ankau, sur la tero

تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے، زمین پر بھی ہو ا

Panon mian ciu tagan donu almi hodiau.

ہماری روز کی روٹی آج ہمیں دے !

Kaj pardona la ni soldojon niajn.

ہمارے قرض ہمیں بخش دے !

Kiel ni ankau pardonas al n'ajsuldantoj.

جس طرح ہم نے اپنے قرضداروں کو بخش دیا ہے!

Ni Konduku nin en tênton.

ہمیں آزمائش میں نہ پڑنے دے!

Sed lilcrigu nin de la mallona.

بلکہ برائی سے بچا!

Amen.

آمین!

تبصرہ

بتاریخ ۷ نومبر ۱۹۲۷ء ریاست میسور کی مجلس نیابیہ کے موقع پر دسہرہ اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں جناب مرزا محمد اسمٰعیل صاحب دیوان میسور نے جو افتتاحی خطبہ انگریزی میں پڑھا اس کی ایک نقل ہمیں وصول ہوئی ہے۔ اس خطبہ میں ریاست کے جملہ نظم ونسق کے شعبہ جات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے جس میں بہت سی کارآمد اور سبق آموز باتیں ہیں اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ قارئین المعلم کی معلومات کے لئے اس خطبہ کا خلاصہ پیش کریں۔

ریاست میسور کی جملہ آمدنی تین کروڑ اڑتیس لاکھ سال زیر تنقید میں رہی اور جملہ خرچ تین کروڑ چون لاکھ ہوا جس سے ظاہر ہے کہ آمدنی سے خرچ زیادہ ہوا ہے اس لئے مد محفوظ سے اس کا تکملہ کرنا پڑا۔ ریاست میسور سالانہ جو رقم معاونت برٹش گورنمنٹ کو ادا کرتی ہے اس کو برٹش گورنمنٹ نے کم کر دیا ہے اس لئے توقع کی جاتی ہے کہ سال آئندہ آمد و خرچ

برابر ہو جائینگے۔

میسور میں اس وقت آبپاشی کے ذریعے دس لاکھ ایکڑ پر کاشت جاری ہے جس کی مجموعی آمدنی پچاس لاکھ ہوتی ہے۔ خطبہ میں بتلایا گیا ہے کہ ابھی اور پانچ لاکھ ایکڑ مختلف ذرائع آبپاشی اختیار کرنے سے قابل کاشت ہو سکتے ہیں چنانچہ بعض اسکیمات زیر غور ہیں۔ مثلاً تعمیر ہائی لے ول کنال تحت کرشنا راجہ سگارا اس کام کے لئے دو کروڑ بائیس لاکھ روپیہ کی منظوری دی گئی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کی تکمیل کے بعد ایک لاکھ بیس ہزار ایکڑ زیر کاشت آجائینگے۔

ملک کی اقتصادی ترقی کے وسائل اور ذرائع پر غور کرنے کے لئے ایک اقتصادی کانفرنس منعقد کی گئی ہے۔ اس کانفرنس نے کئی ایک تحقیقات کئے اور بعض اہم امور پر غور کرنے کے بعد اپنی تحریکات پیش کئے ہیں جو حکومت کے زیر غور ہیں۔ اس سال دسہرہ کے موقع پر ریاست میسور میں اعلیٰ پیمانہ پر نمائش کی گئی اور توقع کی جاتی ہے کہ یہ ایک سالانہ چیز ہو جائیگی چونکہ بنگلور میں آئے دن صنعت و حرفت کی ترقی کے ساتھ ساتھ کارخانجات کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے اور اس لئے مزدوروں کی تعداد بھی بڑھ رہی ہے۔ ان کے امکنہ اور بود و باش کا انتظام بھی حکومت کے زیر غور ہے اور توقع کی جاتی ہے کہ مزدوروں کے لئے ایسے امکنہ تیار ہو جائینگے جو حصول حفظانِ صحت کے مطابق ہیں۔

سماجی (سوشیل) مسائل میں مسئلہ بیکاری پر خصوصیت کے ساتھ حکومت غور کر رہی ہے کوشش کی جارہی ہے کہ بیکاروں کو زراعت اور صنعت و حرفت کے کاموں پر لگا دیا جائے اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی کا قیام عمل میں آیا ہے۔

آرائش بلاد و قصبہ جات | شہروں اور قصبوں کی آرائش اور ترقی کا کام ریاست میسور میں بڑے شد و مد کے ساتھ جاری ہے۔ گزشتہ نو مہینوں میں اکیس مختلف شہروں اور قصبوں کی اسکیمات آرائش تیار ہو گئیں ہیں اور حکومت نے ان کاموں کی تکمیل کے لئے سال گذشتہ چھ لاکھ چھیاسی ہزار رقم کی منظوری دی ہے امید کیجاتی ہے کہ سال آئندہ بھی اتنی ہی رقم

منظور کیجائیگی۔

پنچایت گاؤں میں پنچایت کا طریقہ قائم کرنے کے متعلق یکم فروری ۱۹۲۷ء کو قانون جاری ہوا اور جون ۱۹۲۷ء تک آٹھ ہزار پنچایت گاؤں میں قائم ہوئے ہیں جن میں سے تین ہزار پانچسو چودہ پنچایت نے بموجب قانون اپنے گاؤں پر ٹکس لگائے۔

محصول آمدنی ریاست میسور میں برٹش انڈیا و دیگر ممالک یورپ کی طرح محصول آمدنی بھی لیا جاتا ہے۔ چنانچہ سال زیر تنقید میں دس لاکھ باسٹھ ہزار محصول آمدنی اور چار لاکھ اُنیس ہزار سو دو پر ٹکس وصول ہوا۔

محکمۂ صفائی و حفظان صحت سال زیر تنقید میں اس سر رشتہ نے جو کار نمایاں کیا ہے وہ یہ ہے کہ تمام ریاست کے حفظان صحت کی تنقیح کی گئی خصوصاً ملیریا کے اسباب اور علل پر بہت غور و خوض کیا گیا۔ ریاست کے چار نوجوان صفائی اور حفظان صحت کی معلومات حاصل کرنے کے لئے حکومت کی جانب سے امریکہ بھیجے گئے ہیں۔

سر رشتۂ تعلیمات ۳۱ مارچ ۱۹۲۷ء کو جملہ ریاست کے مدارس کی تعداد آٹھ ہزار دو سو تریسٹھ تھی جن میں تین لاکھ بیس ہزار پچاسی طلبا زیر تعلیم تھے۔ منجملہ ان کے سات ہزار نوے سرکاری مدارس تھے۔ ان سرکاری مدارس میں سے سات سو تیس اُردو مدارس ذکور جن میں ستائیس ہزار پانچسو چھپن طلبا زیر تعلیم تھے۔ دو سو نو اردو مدارس نسوان ہیں جن میں آٹھ ہزار نو سو اُنہتر طالبات زیر تعلیم ہیں۔

میسور میں پست اقوام کی تعلیم کا بھی معقول انتظام کیا گیا ہے مثلاً

مدارس لمبارٹان کنبیوں کے مدارس پہاڑی اقوام کے مدارس

انجمن ہائے امداد باہمی ۱۹۲۶ء کے آخر میں یکہزار سات سو انچاس انجمنیں ریاست میں قائم تھیں جن کے اراکین کی تعداد ایک لاکھ یکہزار آٹھ سو پچانوے تھی اور رقم حصص چھتیس لاکھ اور رقم امانت بیالیس لاکھ چالیس ہزار تین سو چار روپیہ تھی اور مد محفوظ میں

پندرہ لاکھ نواسی ہزار پانچسو چوہتر روپیہ جمع تھا۔ ریاست میسور میں امکنہ کی تعمیر کے لئے انجمن امداد باہمی قائم ہے۔ چنانچہ تین سو پچاس امکنہ انجمنوں نے اراکین کے لئے تیار کرائے ہیں اور حکومت نے ایک لاکھ روپیہ کی امداد ان سوسائیٹیوں کو دی ہے۔

محکمہ زراعت | صنعت و حرفت کی ترقی کے متعلق قابل الذکر امور یہ ہیں۔

الف ۔ "بھٹ کٹیا" یا "بادنجان صحرائی" کی قطع برید اور شہد کی مکھیوں کی پرورش و ترقی کے وسائل پر توجہ کی گئی۔ قہوہ۔ الائچی اور سیاہ مرچ کے متعلق "کافی اکسپریمنٹل اسٹیشن" واقع بالھنور میں تجربے کئے گئے جدید آلات زراعت جیسے ہل، نیشکر کی گرنیاں اور کھاد کے استعمال سے کار منظاہرہ کی کامیابی کا ثبوت ملتا ہے۔

ابریشم کے سلسلے میں دو چیزیں نہایت اہم ہیں

(۱) تیار کردہ ریشم کی پیداوار میں بلحاظ کیفیت ترقی دینا۔

(۲) ہندوستان کے بافتنی مرکزوں میں ان کی ترویج۔

سررشتہ کے ایک عہدہ دار کو صرف اس غرض سے بھیجا گیا تھا کہ شمالی ہند کے ریشمی بازار کی ضروریات کا مطالعہ کرے۔ سررشتہ ایک خاص قسم کی دھاگہ لپیٹنے کی مشین کو مقبول عام بنانے میں سرگرم ہے۔ جس سے پیداوار ریشم میں بلحاظ کیفیت کافی اضافہ ہوگا۔ ابریشم کی ایک مرکزی انجمن بھی ترتیب دیگئی ہے۔

صنعت و حرفت و تجارت | صنعت و حرفت و تجارت کے سلسلہ میں حسب ذیل امور قابل ذکر ہیں۔

(۱) سرکاری کارخانہ صابن سازی کے تیار شدہ صابن کے فروخت سے ایک لاکھ ستتر ہزار پانچسو اٹھیانوے روپیہ وصول ہوئے جس میں سے خالص منافع چار ہزار نو سو ستاون روپیہ ہوا۔

سررشتہ نے چند ماہر فن پارچہ باف اور مظاہرہ کاروں کو اس غرض سے مامور کیا کہ وہ دستی چرخوں کی ترویج عمل میں لائیں۔ سرکاری کارخانوں میں یکہزار آٹھ سو چرخے تیار ہوئے

جو بغرض فروخت انجمن ہائے امداد باہمی اور دیگر ایجنسیوں کے سپرد کئے گئے ۔ بادنولی میں دستی چرخوں کا ایک مرکز قائم کرنے کی غرض سے ایک جاید اسکیم منظور کی گئی ۔ اس مرکز میں عملی طور پر یہ بتایا جائیگا کہ آیا دستی چرخے کا استعمال دیہاتیوں کے لئے آمدنی کا ایک شغل ہو سکتا ہے۔

شذرات

عورتوں کیلئے خانہ داری امور کی تعلیم کا انتظام رائے پور میں احمد آباد سیٹھ منگل داس گردھر داس نے رائے پور میں ایک صنعتی مدرسہ قائم کیا ہے ۔ جس میں عورتوں کو تعلیم دیجائیگی ۔ اس مدرسہ میں مختلف گھریلو صنعتوں کی تعلیم ہوگی ۔

کانفرنس تعلیم جسمانی مدراس نے ایک تجویز منظور کی ہے جس میں حکومت سے استدعا کی گئی ہے کہ سرکاری و غیر سرکاری ارکان کی ایک کمیٹی بدیں غرض قائم کی جائے کہ بعد تحقیقات مدارس میں تعلیم جسمانی کی ترقی کے متعلق تجاویز پیش کرے ۔

روئداد جلسہ اسکاوٹ ڈے حسب معمول بتاریخ ۲۴ اکتوبر ۱۹۲۶ء مطابق ۲۸ آبان ۱۳۳۶ف جمیع اسکاوٹ ٹروپس بلدہ، نلگنڈہ و میدک تجدید حلف کے لئے نظام کالج کے میدان میں مجتمع ہوئے ۔ لیکن مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر چیف اسکوٹ و صدر اعظم باب حکومت کی تشریف آوری نے اس کی رونق میں بدرجہا اضافہ فرمایا گو ابر باراں سے حاضرین کو تھوڑی سی زحمت برداشت کرنی پڑی ۔

۵ بجے مہاراجہ بہادر کی آمد پر نواب مسعود جنگ بہادر کمشنر اسکوٹ و ناظم تعلیمات نے مع دیگر عہدہ داران سرکار عالی استقبال فرمایا ۔ اور حسب پروگرام بینڈ کے ساتھ عام سلامی تجدید حلف

کی رسم ادا کرنے کے بعد اسکوٹ ٹروپس نے باری باری مارچ پاسٹ کیا۔ پیرامڈس Pyramids اور فلیگ سگنیلنگ Flag signalling کے کرتب دکھلائے، اسکوٹ کے متعلقہ اصول گیت گائے اور مصنوعی جنگ وطبی امداد کے مظاہرے کئے۔ زاں بعد وقت واحد میں مختلف پلوں کے نمونے بنائے اطفاء نار کا عملی کام انجام دیا خیمہ زنی اور جھوپڑی بنا کر دکھلائی۔ اس کے علاوہ اردو جھنڈی بولی کا مظاہرہ ہوگیا۔ ان جملہ کاموں کو مہاراجہ بہادر نے مع دیگر معزز ہمراہیان عہدہ داران سرکار عالی نہایت اطمینان و خوشی و دلچسپی سے معائنہ فرمایا اور متعدد مواقع پر اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا۔

معائنہ کے بعد مہاراجہ بہادر نے وارنٹس، چارٹرس و انعامات تقسیم فرمائے اور ڈائرکٹر بوائے اسکاوٹس نے بعد ادائے شکریہ مہاراجہ بہادر و حاضرین جلسہ اپنی تقریر میں ظاہر کیا کہ "رعایائے مقامی اس مفید تحریک میں دیگر ممالک کی رعایا کے مقابلہ میں ہماری اعانت نہیں فرماتی بلکہ اس کے خلاف اس تحریک کی ترقی میں حارج ہوتی ہے اور تحریک ہذا کو خلاف مذہب و فوجی جبری بھرتی کے مترادف خیال کرتے ہوئے یہ سمجھتی ہے کہ اسکوٹنگ لڑکوں کے علمی مشاغل میں خرابیاں ڈال دیگی۔ درانحالیکہ اس تحریک کو ان توہمات باطلہ سے کچھ سروکار نہیں یہ ہر اسکاوٹ کو اپنے مذہبی روایات قائم رکھتے ہوئے بادشاہ و ملک کا وفادار رہنے اور ہر حاجتمند کی مساویانہ طور پر امداد کرنے ہی پر مجبور نہیں کرتی۔ بلکہ ایثار و مساوات عامہ قائم رکھنے کی عملی تعلیم دیتی ہے اور سال حال کے نتائج امتحانات سے بخوبی ظاہر ہے کہ (۴۱۰) شرکار امتحان میں سے (۳۳۷) اسکوٹس کامیاب ہوئے تو پھر کس حد تک علمی مشاغل میں رکاوٹیں ڈالنے والا خیال قابل وقعت ہوسکتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ بہ نسبت گذشتہ سالوں کے سال حال اس تحریک میں قابل قدر اضافہ ہوا اور اب (۸۷۰) اسکوٹس موجود ہیں مجھے امید ہے کہ رعایائے ملک و صدر مہتمم صاحبان تعلیمات اس تحریک کو کامیاب بنانے میں اپنی مساعی جمیلہ سے دریغ نہ فرما کر مشکور فرمائینگے۔

بعد تقریر ڈائرکٹر بوائے اسکاوٹس مہاراجہ بہادر نے اسکوٹوں کے ضبط و انتظام پر خوشنودی کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "اسکوٹنگ کی تحریک عوام کی خدمت و وفاداری شاہ پر مشتمل اور مساوات باہمی کا عملی درس دیتی ہے جو ہر مذہب میں مستحسن ہے اور اسلامی مساوات تو ایک جداگانہ بہترین حیثیت رکھتی ہے۔" بعدہٗ ڈائرکٹر بوائے اسکاوٹس نے دوبارہ مہاراجہ بہادر حاضرین جلسہ اول تعلقدار صاحب نلگنڈہ و مسٹر بنٹ اکٹنگ کمشنر میدک کا شکریہ ادا کرتے ہوئے نعرہ ہائے مسرت کے ساتھ جلسہ برخاست کیا۔

بمبئی کارپوریشن کی اسکول کی کمیٹی نے یہ تجویز منظور کر لی ہے کہ جن حلقوں میں ابتدائی جبری تعلیم کا قانون نافذ ہے وہاں اس کا اطلاق مسلمان لڑکیوں پر بھی کر دیا جائے مسلمانوں کی مخالفت کی وجہ سے مسلمان لڑکیاں زیور علم سے آراستہ ہونے سے محروم ہو گئی تھیں۔ مسرت کی بات ہے کہ بعد غور مکرر مسلمانان بمبئی نے راہِ راست اختیار کر کے دوسروں کے لئے ایک عمدہ مثال قائم کر دی۔

ایک اطلاع مظہر ہے کہ شہر لاہور میں تعلیم کا ایسا چرچا ہو گیا ہے کہ بھنگیوں کے لئے بھی چار مدارس قائم و جاری ہیں۔ اس کے علاوہ مسن اشخاص کے لئے ۱۷ مدارس ہیں۔ ان کے وجود کی بدولت دو سو اشخاص نوشت و خواند سے واقف ہو گئے ہیں۔

شہر لاہور میں ۹۱ فیصد قابل تعلیم اطفال زیر تعلیم ہیں۔ ان کی حاضری کی شرح ۸۸ فیصد ہے۔ یہ اعداد ہمارے مدرسین کے لئے سبق آموز ہیں۔

گوبی۔ اے کی بازاری قیمت سو سوا سو روپیہ ماہوار سے تیس چالیس روپیہ ماہوار

ہوگئی ہے لیکن یونیورسٹیوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ آگرہ یونیورسٹی کی اسکیم منظور ہوگئی ہے اور توقع ہے کہ اس سال آگرہ یونیورسٹی کا افتتاح ہو جائے گا۔

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کی بابت عرصہ سے متوحش افواہیں گشت کر رہی تھیں۔ اب معلوم ہوا ہے کہ آپس کے جھگڑوں نے ایسی خوفناک صورت اختیار کرلی ہے کہ گورنمنٹ نے ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر فرمایا ہے جس کے اراکین غالباً ناظم تعلیمات صوبۂ پنجاب و کمشنر تعلیمات وغیرہ ہوں گے۔

ایسے مدارس جن میں باؤلیاں ہیں سررشتۂ نظامت زراعت کی مدد سے پمپ نصب کراکے باغبانی کی تعلیم کا سلسلہ ڈال سکتے ہیں۔ تنصیب پمپ کے اخراجات کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

الف۔ اگر باؤلی کا پانی موسم گرما میں سطح زمین سے ۲۵ فٹ نیچے ہے۔

(۱) قیمت واکیوم پمپ ڈیڑھ انچ والا — [illegible]

(۲) پایپ جست ڈیڑھ انچ۔ پچیس فٹ — [illegible]

(۳) فٹ والو — [illegible]

(۴) سامان ضمنی اندازاً — [illegible]

(۵) مصارف فٹنگ — [illegible]

(۶) اخراجات حمل و نقل از بمبئی — [illegible]

جملہ — [illegible]

ب۔ اگر باؤلی کا پانی موسم گرما میں سطح زمین سے پچیس فٹ سے زیادہ نیچے رہے۔

(۱) قیمت ڈیپ ویل پمپ سوا انچ (۱۲ سم) — [illegible]

(۲) قیمت پایپ ۲ جے (نہ ۱) سوا انچ	۱	۵ر۴ہر
(۳) فٹ والو		عالی ۵ر۴ہر
(۴) سامان ضمنی اندازاً	۱	ہوسہ
(۵) مصارف فٹنگ		سہ
(۶) اخراجات حمل و نقل از بمبئی		سہ

جملہ ۱م۴ہ

واضح رہے کہ جہاں باؤلی نہ ہو وہاں محکمۂ زراعت کی شاخ انجنیرنگ باؤلی بناتی ہے۔ اور خواہشمندوں کی درخواست پر پمپ پایپ وغیرہ منگوا کر اس کی تنصیب کرتی اور استعمال کا طریقہ بتاتی ہے۔ صدر مدرسین کو یہ موقع ہاتھ سے نہ کھونا چاہیے۔

ملک یوگوسلاویا کے دو باشندے جو دنیا کے سفر پر روانہ ہوئے ہیں آج کل ہندوستان میں ہیں۔ اِن کا بیان ہے کہ وہ اخبار نویس اور مصنّف ہیں۔ اور اپنے ملک کے علوم و فنون کی انجمنوں کے رُکن ہیں۔ اِنھوں نے یہ قصد کیا ہے کہ تین سال کی مُدت میں وہ تمام دنیا کے گرد چکّر لگائیں۔ اِنھوں نے اپنے ساتھ کچھ رقم نہیں لی ہے بلکہ اخبارات کے لئے مضمون لکھ کر اور دوران سفر میں لکچر دیکر زادِ راہ پیدا کرتے ہیں۔

کلکتہ یونیورسٹی کے ڈاکٹر پی۔ سی۔ متر پروفیسر علم الکیمیا اور اِن کے ساتھیوں نے تین سال کی رات دن کی محنت کے بعد ایک جدید قدرتی رنگ دریافت کیا ہے جو مجیٹھ میں پایا جاتا ہے۔ اِس انکشاف سے تحقیقات کا ایک نیا باب کھل گیا ہے۔

تاریخ کے مدرسین کے لئے مندرجۂ ذیل اعداد و شمار باعثِ دلچسپی ہونگے۔ ان سے

ظاہر ہوگا کہ دنیا کے بادشاہ اپنے ذاتی اخراجات پر کس قدر روپیہ صرف کر رہے ہیں اور انکو ہندوستانی والیانِ ریاست سے کیا نسبت ہے۔

شاہِ انگلستان	سالانہ	۲۹	لاکھ	روپیہ
شاہِ اٹلی	"	۳۰	"	"
شاہِ جاپان	"	۲۲½	"	"
شاہِ رومانیہ	"	۳۰	"	"
نواب صاحب رامپور	"	۲۵	"	"
مہاراجہ صاحب پٹیالہ	"	۳۰	"	"
مہاراجہ صاحب بھرتپور	"	۳۰	"	"
مہاراجہ صاحب کشمیر	"	۱۵	"	"

جب ہندوستان کے چھوٹے والیانِ ریاست دیگر ممالک کے بادشاہوں سے بازی لیجاتے ہیں تو بڑے والیانِ ریاست کے اخراجات کا تذکرہ بے ضرورت معلوم ہوتا ہے۔

اٹلی میں جو ایک متمدن مغربی ملک شمار ہوتا ہے حال ہی میں حکم دیا گیا ہے کہ ہر مدرس جو اندرون یا بیرون مدرسہ اپنے فرائض کو دیانت کے ساتھ انجام نہ دیتا ہو یا حکومت کی عام پالیسی کے خلاف عمل کرتا ہو فی الفور خدمت سے موقوف کر دیا جائے۔ سررشتہ تعلیمات سرکار عالی کے قواعد مدارس خانگی کے معتمدین یہ بغور ملاحظہ فرمائیں

مس وسنترا۔ ایم اے کرناٹک کی پہلی خاتون ہیں جو سائنس کی تعلیم کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے انگلستان روانہ کی گئی ہیں۔

حال میں بمقام بمبئی کالج ز لڑکیوں کا لڑکیوں کے لئے علیحدہ کالج قائم کرنے کے مسئلہ پر بہت دلچسپ مناظرہ ہوا مخفی مباد کہ بمبئی میں لڑکے لڑکیاں ایک ہی جگہ اعلیٰ تعلیم پاتے ہیں جن لڑکیوں نے علیحدہ کالج کی مخالفت کی۔ انہوں نے خیال ظاہر کیا کہ کم عمری میں لڑکے لڑکیوں کو علیحدہ تعلیم دینا مناسب ہے۔ لیکن کالج کی تعلیم کے زمانہ میں ان کی ایک ساتھ تعلیم اس لئے ضروری ہے کہ تحصیل تعلیم کے وقت وہ ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہو کر آئندہ زندگی عمدگی سے بسر کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ لڑکے لڑکیوں کے ایک جا ہونے سے آپس میں مقابلہ کرنے کی تحریص ہوتی ہے جو تعلیم کا شوق دلاتی ہے آپس کے میل جول سے اخلاق درست ہوتے ہیں۔ آزادی کا لوازمہ ذمہ داری ہے ہم دوا اپنے اغراض و مقاصد کی حفاظت کرنا سیکھ سکتے ہیں۔ اس کے خلاف یہ بیان کیا گیا کہ لڑکیوں کی زندگی لڑکوں سے بالکل مختلف ہے۔ لڑکیوں کا مطمح زندگی عام طور پر خانہ داری ہے۔ اس لئے ان کی صحیح تعلیم لڑکیوں کے ساتھ درست نہیں ہو سکتی۔ اختتام مناظرہ پر جب ووٹ لئے گئے تو معلوم ہوا اکثرت رائے لڑکیوں کے لئے علیحدہ کالج کے قائم کرنے کے خلاف ہے۔

بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ ہندوستان میں ہر قسم کی دیسی ریاستوں کی جملہ تعداد ۵۶۲ ہے اور ان کا رقبہ ۰۰۰،۵۰۱،۶ مربع میل ہے یعنی ہندوستان کا ⅓ حصہ دیسی والیانِ ریاست کی حکمرانی میں ہے۔ اس رقبہ میں سات کروڑ نفوس یعنی ہندوستان کے ¼ نفوس آباد ہیں۔

مسٹر سالداس گاندھی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں ایک سو سینتیس ایسی ریاستیں ہیں جن کی سالانہ آمدنی دس ہزار روپیہ سے زیادہ نہیں ہے۔

چالیس ایسی ہیں جن کی آمدنی دس ہزار سے بھی کم ہے۔ دو ایسی ہیں جن کی تاریخ میں بھی مثال نہیں مل سکتی۔ ان میں سے ایک کی سالانہ آمدنی ڈیڑھ سو روپیہ ہے اور دوسری کی صرف اسی روپیہ۔ آخرالذکر ریاست کا رقبہ ڈیڑھ میل ہے۔ اور اس میں ۳۲ آدمی آباد ہیں۔

انگلستان کے اعداد و شمار مظہر ہیں کہ تمام ملک میں بیس لاکھ مرد ایسے ہیں جنہوں نے شادی نہیں کی ہے ان میں سے ½ ایسے ہیں جن کا تمام عمر شادی کرنیکا ارادہ ہی نہیں ہے۔ باقی خرابی صحت یا مفلوک الحالی کے باعث فلسفہ ازدواج سے ناواقف اور بے بہرہ ہیں۔

ممالک مغرب میں انگلستان ہی ایک ایسا ملک ہے جس میں عرصہ دراز سے مردوں کی بہ نسبت عورتیں بہت زیادہ ہیں اور ہر سال ان ہی کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

تمام متمدن ممالک کا تجربہ ہے کہ حفظان صحت کی تدابیر اختیار کرنے سے شرح اموات میں کمی اور اوسط عمر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں کسی ملک کے حفظان صحت کے انتظامات کی اصلیت وہاں کے باشندوں کی اوسط عمر سے معلوم ہو جاتی ہے۔ ناروے میں اوسط عمر ۵۵،۶ سال ہے جاپان میں ۴۴،۳ اور ہندوستان میں صرف ۲۴،۷ یعنی ہندوستانی ابھی جوان بھی نہیں ہونے پاتا کہ موت کا شکار ہو جاتا ہے۔

دیگر ممالک میں اوسط عمر حسب ذیل ہے:۔

انگلستان	۵۱،۵
امریکہ	۵۰
فرانس	۴۸،۵
جرمنی	۴۷،۴

شرح اموات پر نظر ڈالنی خالی از دلچسپی نہیں ہے :-

شرح اموات

	۱۸۷۵ء	فی ہزار	۱۹۲۱ء
انگلستان	۲۲	"	۱۲٫۱
فرانس	۲۵	"	۱۷٫۷
جرمنی	۲۸٫۲	"	۱۴٫۸
ہندوستان	۲۷٫۴	"	۳۰٫۶

ہر مغربی ملک میں ترقی زمانہ کے ساتھ ساتھ شرح اموات میں کمی ہوگئی۔ لیکن ہندوستان میں اس کے برعکس اضافہ ہوگیا ہے۔ یہی رفتار رہی تو ہندوستان کا خدا حافظ ہے۔

ایک فرانسیسی ماہر اعداد و شمار کا بیان ہے کہ دنیا کے چھبیس بڑے شہروں میں شرح اموات شرح پیدائش کے مقابلہ میں $\frac{۳}{۵}$ ہے۔ ہر دس ہزار کی آبادی میں اوسطاً دو سو پچاس پیدا ہوئے اور مرے۔ دونوں مقامات پر شرح اموات و پیدائش علی الترتیب دو سو انسٹھ اور دو سو بیاسی اور پانچسو چہتر اور پانچسو تیس تھی۔ بڑے شہروں میں بمبئی ہی ایک ایسا شہر ہے جہاں اموات بہت زیادہ ہے۔

حالیہ اعداد شمار ثابت کرتے ہیں کہ دنیا میں مردوں سے زیادہ عورتیں ہیں۔ دنیا کی کل ۴۷۵٬۰۰۰٬۰۰۰ آبادی میں سے عورتیں ۲۵۰٬۰۰۰٬۰۰۰ ہیں گویا انکی تعداد بمقابلہ مردوں کے بقدر ۲۵٬۰۰۰٬۰۰۰ زیادہ ہے جرمنی میں بمقابلہ ایک ہزار مرد کے ایک ہزار چھبیس عورتیں ہیں۔ روس میں بمقابلہ ایک ہزار مردوں کے ایک ہزار چارسو فرانس میں بمقابلہ ایک ہزار مردوں کے ایک ہزار ترانوے برخلاف

اس کے ممالک متحدہ امریکہ میں مرد زیادہ اور عورتیں کم ہیں۔ ان کا تناسب ایک ہزار اور ایک ہزار چالیس ہے۔

کوئی ایسی شب برات نہیں ہوتی کہ آتش بازی میں کسی بچہ کے کپڑے نہ جلتے ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ اگر پانی میں خوب پھٹکری گھول کر اس میں کپڑے بھگو دیے جائیں اور پھر دھوپ میں سکھا کر پہنے جائیں تو آگ لگنے سے محفوظ ہو جائینگے۔ پھٹکری اس قدر آسانی سے مل سکتی ہے اور ارزاں ہے کہ جب جی چاہے گھر ہی گھر میں اس کا تجربہ کر لیا جا سکتا ہے۔

یہ معلوم کر کے موجب مسرت ہوگا کہ پٹیالہ پرائمری ایجوکیشنل ایکٹ ۱۹۲۷ء کو ہز ہائنس مہاراجہ صاحب نے منظور فرما لیا ہے اور یکم جولائی سے اس کا نفاذ بھی ہو چکا ہے رفتہ رفتہ ریاست کے تمام قصبات میں اسے توسیع دیجائیگی اور اس پر عملدرآمد ہوگا اس قانون کا مدعا یہ ہے کہ ریاست میں رہنے والا ہر لڑکا چھ برس کی عمر سے گیارہ برس کی عمر تک مجبور ہوگا کہ کسی سرکاری یا مسلمہ مدرسہ میں تعلیم پانے کے لئے بھرتی ہو۔ البتہ اگر ثبوت بہم پہنچ سکا کہ بچے کے طور پر لڑکے کو بہت اعلیٰ تعلیم دیجا رہی ہے یا یہ کہ جسمانی عوارض اور نقائص کے سبب سے وہ اس قابل نہیں ہے کہ مدرسہ میں داخل کیا جا سکے تو اسے جبری تعلیم سے معاف رکھا جائیگا۔

حدود ریاست پٹیالہ میں چونکہ یہ قانون بالکل انوکھا ہے لہذا خاطیوں کے لئے ابھی کوئی سخت سزا مقرر نہیں کی گئی ہے۔ اگر تنبیہ کرنے کے باوجود والدین یا اولیاء اس کی تعمیل میں تساہل کرینگے تو ان پر پانچ روپیہ جرمانہ کیا جائیگا اور اگر تعلیمی اوقات میں ایسے

لڑکوں سے جن کی عمر مدرسہ میں بھرتی ہونے کے لائق ہو کسی قسم کا تعرض کیا جائیگا تو ایسے لڑکوں کے والدین جرمانہ کے مستوجب ہونگے۔

ایک اطلاع مظہر ہے کہ ولایت کے ایک ڈاکٹر نے ایک ایسی دوا ایجاد کی ہے کہ اگر وہ کسی گواہ کو پلادی جائے تو وہ سچ بولنے پر مجبور ہو جاتا ہے اگرچہ وہ جھوٹ ہی کیوں نہ بولنا چاہتا ہو۔ دوا کا نام "سکوپل امین" ہے۔

ایک سال کا عرصہ ہوا کہ "ویسٹ ہام" میں ایک بچہ پیدا ہوا تھا۔ جس کا وزن ۱½ پونڈ (۱۲ چھٹانک) تھا۔ یقین کیا جاتا ہے کہ یہ بچہ دنیا بھر میں سب سے چھوٹا بچہ ہے جسے پانچ ماہ تک اُون میں لپیٹ کر محفوظ رکھا گیا۔ اسی طرح معلوم ہوا ہے کہ "گلاسگو" میں مسز ڈاسن کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا طول صرف (۱۰) انچ اور وزن دو پونڈ (ایک سیر) تھا۔

سیلون میں ایک قوم آباد ہے جو "ویدا" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کے کسی فرد نے کبھی کوئی جھوٹ نہیں کہا اور نہ وہ جھوٹ بولنا جانتا ہے نیز اس قوم کا کوئی آدمی کبھی نہیں ہنسا اور نہ کبھی ہنسنا چاہتا ہے۔

"ڈاکٹر ورونوف" کا بیان ہے کہ دنیا کے علوم سائنس کی اب تک جو ترقی ہوئی ہے اس کے اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ اب سے نصف صدی بعد افراد انسانی کی زندگی کے ایام موجودہ حالت کی بہ نسبت دوچند ہو جائینگے۔

اس وقت تک فطرت کے جن سربستہ اسرار تک انسان کو دسترس حاصل ہوئی ہے اُن کا انتہائی نقطہ بقول سٹر بے ۔ بی ۔ ایس بلڈین مشہور و معروف عالم سائنس یہ ہے کہ ماہرین علم حیوانات مصنوعی مکمل انسان بنانے یا پیدا کرنے میں کامیاب ہونے والے ہیں ۔

آج کل ماہرین سائنس انتہائی سرعت رفتار کے ساتھ ترقی کے منازل طے کر رہے ہیں۔ ایک سائنس داں نے اس بات کو پایۂ ثبوت کو پہنچا دیا ہے کہ انسان کے گذرے ہوئے شباب کو پھر واپس لانا محض تخیل ہی نہیں بلکہ ایک امر واقعہ ہے پچھلے دنوں لندن کی علمی نمائش میں ایک زندہ انسانی جسم میں سے متحرک اور صحیح و سالم دل کو علیحدہ کر کے ایک تختۂ چوب پر رکھدیا گیا تھا اور دواؤں کے زور سے وہ کئی گھنٹے تک حرکت کرتا رہا۔ اسی طرح ایک کچھوے پر عمل کرکے دکھایا گیا کہ اس کا دل جو غیر متحرک تھا کچھ عرصہ کے بعد حرکت کرنے لگا ۔ اور نمک ۔ پوٹاسیئم اور کاربونیٹ سوڈے کے مرکب عرق نے اس کو دیر تک صحیح سالم رکھا گیا ۔

علیٰ ہذا موت واقع ہوجانے کے بعد انسانی قلب کو متحرک (زندہ) کرلینا سائنس کی زبردست کامیابی کا مرادف ہے اور فی الحقیقت موت کا مقابلہ کرنے اور اس پر غلبہ حاصل کرلینے کی طرف پہلا قدم ہے عام طور پر مردہ انسان کے سینے کو شگاف دیکر اس کے قلب کو خاص ترکیب سے متحرک کردیا جاتا ہے اور اسے گھنٹوں زندہ رکھا جاتا ہے سائنس کے وہ متبحر علماء جو اس قسم کے تجارب میں مصروف رہتے ہیں اس بات کا یقین ظاہر کرتے ہیں کہ ترقی کی طرف آئندہ جو قدم اٹھایا جائیگا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان کی زندگی لا متناہی ہوجائیگی ۔

ریڈیو لاسلکی کا استعمال اب ہندوستان میں بھی شروع ہوگیا ہے۔ ابھی چند ... ہز ایکسلنسی وائسرائے بہادر نے بمبئی کے نشر صوت اسٹیشن کا افتتاح فرمایا تھا۔ فی الحال ہندوستان میں نشر صوت کے دو اسٹیشن ہیں۔ ایک بمبئی میں دوسرا کلکتہ میں ان ہر دو مقامات سے ... تازہ ترین خبریں۔ تجارتی و کاروباری نرخ۔ موسمی اطلاعات ... جو پروگرام نشر کئے جائینگے وہ تمام ہندوستان اور برما میں ان آلات کے ذریعہ بخوبی سن لئے جائینگے جنہیں ریسیور یا آلہ سماعت لاسلکی کہتے ہیں۔ یہ ایک معمولی ... صندوق ... جس میں ایسے حساس اور اثر پذیر پرزے لگائے گئے ہیں جو برقی لہروں کے ذریعہ فضا میں نشر ہونے والی آواز کو جذب کرکے اس کی تکرار کرسکیں اب نہ محض امراء بلکہ درمیانی طبقہ کے اصحاب بھی اس آلہ کو اپنے کمرے میں نصب کرکے استفادہ کرسکتے ہیں۔ اس کے لئے ٹیلیفون کی طرح کسی درمیانی موصل تار کی حاجت نہیں ہے۔ بلکہ ہوا میں جو ایتھر شامل ہوتا ہے اس کے ذریعہ خود بخود آواز پہنچ جاتی ہے۔

موسم سرما میں ماورائے ہند کے لاسلکی اسٹیشنوں کے پروگرام سنے جاسکتے ہیں۔ بمبئی اور کلکتہ میں جہاں نشر صوت کے اسٹیشن ہیں محض معمولی طاقت کے ریسیور کام دے سکتے ہیں لیکن سو میل سے زیادہ بعد ہونے پر زیادہ طاقتور ریسیور مثلاً پانچ یا چھ گنا طاقت کے ریسیور درکار ہیں۔ انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل اور موٹر میں بھی نصب کیا جاسکتا ہے۔

گورنمنٹ نے اس کے لئے لائسنس کی شرط لگادی ہے ریسیور کے لئے لائسنس دس روپیہ سالانہ فیس ادا کرنے پر بہت آسانی سے ڈائرکٹر جنرل صاحب ڈاک و تار شملہ سے مل جاتا ہے۔ اسے "وائرلیس ریسیور لائسنس" کہتے ہیں۔ ہر کس و ناکس یہ لائسنس لے سکتا ہے۔ دوسرا لائسنس انتقال صوت کا ہے۔ اس کے لئے پوچھ گچھ ہوتی ہے۔

تیسرا لائسنس درآمد کا ہوتا ہے جو ممالک خارجہ سے ہندوستان میں "وائرلس" کے آلات لانے پر لگتا ہے۔ ایسے آلات لانے کے قبل ہی ڈائرکٹر جنرل [illegible] سے لائسنس حاصل کرلینا اور دس روپیہ فیس داخل کردینی چاہیئے۔ افسران کروڑگیری بمبئی۔ کلکتہ رنگون اور کراچی وغیرہ بندرگاہوں پر مسافران جہاز کی سہولت کے لئے عارضی لائسنس دے سکتے ہیں مگر بعد میں ڈائرکٹر جنرل صاحب سے لائسنس لینا پڑیگا۔ پھر دوسرے سال وائرلیس ریسیور رکھنا ہو تو بندوق کے لائسنس کی طرح فیس بھیجکر اس کی تجدید کرانی لازمی ہے۔ جو لوگ بغیر لائسنس ایسے آلات سے فائدہ اٹھاتے ہیں انڈین ٹیلیگراف ایکٹ کے بموجب مستوجب سزا ہونا پڑیگا۔

نقل رزولیوشن محررہ محکمہ معتمدی عدالت و کوتوالی و امور عامہ سرکار عالی (صیغہ تعلیمات)

نشان ۹ متفرق مورخہ ۲۲ خورداد ۱۳۳۶ف م ۲۵ شوال ۱۳۴۵ھ م ۲۸ اپریل ۱۹۲۷ء

کاغذات ذیل پیش اور ملاحظہ ہوئے۔

(۱) رزولیوشن ۱۲ متفرقات مورخہ ۱۵ خورداد ۱۳۲۳ف م ۱۱ جمادی الاول ۱۳۳۱ھ م ۱۹ اپریل ۱۹۱۳ء

(۲) مراسلہ نظامت تعلیمات ۵۸۲ مورخہ ۴ اردی بہشت ۱۳۳۴ف

(۳) مراسلہ معتمدی تعلیمات ۲۴۳۲ مورخہ ۲۳ مہر ۱۳۳۴ف

(۴) مراسلہ نظامت تعلیمات ۸۹۱ مورخہ ۱۷ فروردی ۱۳۳۵ف

اب تک مدارس تحتانیہ سرکار عالی کو سال میں (۱۴۰) یوم اور مدارس وسطانیہ و فوقانیہ کو (۱۵۰ ½) کی تعطیلات ہوا کرتی ہیں۔ لیکن ناظم صاحب تعلیمات نے تعداد تعطیلات میں اضافہ کی ضرورت ظاہر کرکے مجوزہ تعطیلات کا ایک تختہ پیش کیا ہے۔ جس کے لحاظ سے مدارس تحتانی میں بہ حیثیت مجموعی سالانہ (۷ ½) یوم کا اور مدارس وسطانیہ و فوقانیہ میں (۳ ½) یوم کا اضافہ ہوتا ہے۔

اس تختہ تعطیلات کی منظوری پیشگاہ خسروی سے بذریعہ فرمان مبارک مورخہ ۲۹ ماہ رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ صادر ہوئی ہے۔ لہذا

حکم ہوا کہ

آئندہ سب محکمہ مسلکہ سررشتہ تعلیمات میں تعطیلات دی جائیں فقط

شرح دستخط معتمد عدالت و کوتوالی و امور عامہ سرکار عالی

نقشہ تعطیلات مدارس سرکار عالی

نمبر شمار	نام تعطیل	[illegible]	[illegible]	[illegible]	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶
	مدارس تحتانیہ اضلاع و بلدہ				
۱	دسہرہ	۱	۲		
۲	دوازدہم شریف	۲	۲		
۳	دیوالی	۱	۲		
۴	یادگار سالگرہ حضرت غفران مکان علیہ الرحمہ	۱	۱		
۵	یازدہم شریف	۱	۱		
۶	تل سنکرات	۰	۱		
۷	فاتحہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضؓ	۱	۱		
۸	سالگرہ مبارک اعلیٰحضرت بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی	۱	۱		
۹	بسنت پنچمی	۰	۱		
۱۰	عرس شریف حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ	۰	۱		
۱۱	گرہن بلحاظ جنتری	۰	۱		
۱۲	شب معراج	۲	۲		
۱۳	مہا شیوراتری	۱۰	۱		

۱۴	یادگار اعلان خود مختاری سلطنت آصفجاہی	۱	۱	
۱۵	شب برات	۲	۲	
۱۶	ہولی و دھولنڈی ۔	۲	۲	
۱۷	اگادی	۱	۱	
۱۸	وفات حسرت آیات حضرت غفران مکان علیہ الرحمہ	۰	۱	
۱۹	یادگار تخت نشینی اعلحضرت بندگانعالی	۰	۱	
۲۰	سریرم نومی	۰	۱	
۲۱	فاتحہ خلیفہ چہارم حضرت علیؓ	۱	۱	
۲۲	شب قدر	۴	۷	
۲۳	عید الفطر	۳		
۲۴	عید الضحیٰ	۴	۵	
۲۵	فاتحہ خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ	۱	۱	
۲۶	یادگار سالگرہ کوئن وکٹوریہ قیصر ہند	۱	۱	
۲۷	عشرہ شریف	۱۲	۱۲	
۲۸	فاتحہ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ	۱	۱	
۲۹	راکھی پونم	½	۱	
۳۰	جنم اشٹمی	½	۱	
۳۱	گنیش چتوردشی	½	۱	
۳۲	اننت چتورتھی	۰	۱	
۳۳	سالگرہ ہز مجسٹی کنگ ایمپرر جارج پنجم	۱	۱	
۳۴	جشن تاجپوشی ملک معظم	۱	۱	
۳۵	تعطیلات مختص المقام	۱۰	۵	
۳۶	تعطیل موسم گرما	۳۱	۳۱	
۳۷	ایام جمعہ سال تمام	۵۲	۵۲	
	میزان مدارس تحتانیہ	۱۴۰½	۱۴۸	۷½
	تعطیلات موسم سرما	۱۰	۶	
	میزان مدارس وسطانیہ و فوقانیہ	۱۵۰½	۱۵۴	۳½
				۱۱

یہ تعطیل مدارس وسطانیہ و فوقانیہ و کالج کرما و بہمن کے آخر ہفتہ میں دو جمعہ کے درمیان دیجائیگی۔

[illegible] دستخط نائب ناظم تعلیمات

نقل مراسلۂ صدر دفتر نظامت تعلیمات ممالک محروسۂ سرکار عالی

واقع ۵ دے ۱۳۳۷ ف

نشان ۲۵۸ — مقدمہ ۱۱۸

منجانب ناظم تعلیمات سرکار عالی — خریدی رجسٹرات مطبوعہ مدارس سرکار عالی

خدمت صدر مہتمم صاحبان و مہتمم صاحبہ علاقہ ہذا

محکمہ سرکار صیغۂ فینانس نے ذریعہ مراسلہ نشان (۲۰۳/۲۰۴) مورخہ ۲۵ آذر ۱۳۳۷ ف حسب التماس سال گزشتہ مدارس لوکلفنڈ سرکار عالی کے لئے مطبوعہ رجسٹرات تیار کردہ عظیم اسٹیم پریس خریدنے کی منظوری صادر فرمائی ہے برائے سال ۱۳۳۷ ف میں مدارس مذکور کے رجسٹرات مطبع مذکور سے خریدے جائیں۔ مطبع مذکور نے رجسٹر کلاں ۱/۴ روپیہ کی قیمت (۴؎) اور خورد ۱/۸ روپیہ کی (۲؎) سکہ عثمانیہ مقرر کی ہے بشرطیکہ قیمت مذکور دارالطبع کے نرخ سے کم ہو۔

ضمنی۔ خدمت صدر محاسب صاحب سرکار عالی شاخ بلدہ و اضلاع سمت مرہٹواڑی و تلنگانہ و لوکلفنڈ بحوالہ مراسلہ محکمہ سرکار صیغۂ فینانس اطلاعاً مرسل ہے۔

ایک ایک کاپی خدمات اول تعلقدار صاحبان صیغۂ حساب میر مجلس صاحبان لوکلفنڈ و مہتمم صاحبان رشتۂ ہذا و مولوی سید عبدالقادر صاحب مالک اعظم اسٹیم پریس بلدہ مرسل ہے۔

مہر دستخط مددگار ناظم تعلیمات۔